ایسا ضروری تو نہیں

روبینہ فیصل



The Poetess

with the glittering magical line

اپنی قلیل سی عمر میں روبینہ فیصل نے اردو شاعری کے کئی دور دیکھ لیے، لیکن جس دور کا آغاز خود اس نے کیا ہے، وہ اس کا دیکھا بھالا ہوا نہیں تھا۔ خدا جانے کیسے یہ طلسمی در کھلا اور اس نے اس دروازے کے پار انسانی رشتوں کے سلسلہ امکانات کی تصویروں کو دیکھ کر نظم کرنا شروع کیا۔ نثری نظم کے پیڑ پر اس کا لگایا ہوا یہ نیا پیوند ہرا بھرا، تازہ اور اچھوتا ہے۔ اس میں نہ صرف سادگی اور پُرکاری کا حسین امتزاج ہے بلکہ سنجیدگی اور متانت کے دامن کو چھوڑے بغیر (کم از کم بیانیہ کی سطح پر) خمار آلودہ مدہوشی بھی ہے۔ اپنی مختصر نظموں میں اس نے ایسی طلسمی سطریں ٹانکی ہیں جن میں معانی کے موتی جڑے ہوئے ہیں۔ اس حوالے سے، انگریزی شاعرہ سروجنی نائیڈو کی طرح روبینہ فیصل کو بھی The poetess with the glittering magical line کہا جا سکتا ہے۔

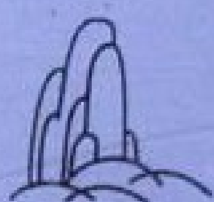
(ڈاکٹر) ستیہ پال آنند

واشنگٹن، ڈی سی۔ امریکا

۱۴ر دسمبر ۲۰۱۷ء

ایسا ضروری تو نہیں

روبینہ فیصل



مکتبہ جدید

کتاب کا نام: ایسا ضروری تو نہیں
شاعرہ : روبینہ فیصل
اہتمام : فیصل محمود
ایڈیٹر : محمد ظہیر بدر (مقام دوست پبلیکشنز، لاہور)
لے آؤٹ: حسن رشید رامے
سرورق : ثمرانہ خان۔ عدیل احمد
مطبع : مکتبہ جدید پریس، لاہور
قیمت : 400 روپے (10$)
رابطہ : ای میل: comqrubina25@gmail.com
615 Rainpark Court
Mississauga L5M 6x6 Ontario
Canada
Ph#1437-982-6601

تقسیم کنندگان

مکتبہ جدید☆ سانجھ☆ کوپر ابکس (لاہور) ☆ بک کارنر (جہلم)

انتساب

پیاری پیاری بیٹیوں

علینہ

مائرہ

کے نام اور

جھیل کے اُن رنگین پتھروں کے نام

جو ابھی تک میرے خوابوں میں فروزاں آتے ہیں

نقوش

روبینہ فیصل کی فنی اپچ

ڈاکٹر سعادت سعید

روبینہ فیصل کی آئینہ بردار یہ نظمیں یہ کسی بھی پل قاری کو مسرت، سکون یا راحت کی راہ نہیں دکھاتیں۔ بس اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان فریب معاشروں میں تخلیق کے اصول مسرت کا بول بالا نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ ہے سماج کے اندر جھلکتا اصول حقیقت! اس اصول حقیقت کا مشاہدہ اور مطالعہ مصلحت اور مصالحت پسند افسانہ نگار، نقاد یا شاعر نہیں کر سکتے۔ خود غرض سماج میں حقیقی انسان جس قدر پریشان اور منتشر ہو سکتا ہے اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں کہ جو اپنے اردگرد موجود حقیقتوں کا دلیری اور حوصلے سے مقابلہ کرنے کے اہل ہوتے ہیں۔ مزید برآں دنیا کو اگر عورت کی آنکھ سے دیکھا جائے تو چار سو بکھرے نہ ختم ہونے والے مصائب اور عذاب کسی بھی صورت اسے چین کا سانس لینے نہیں دیتے۔ اگرچہ شاعرہ نے اپنے شعری اظہار میں محبت کی بابت اعلان کیا ہے کہ یہ خاموش کہانی اندھیروں میں رہنمائی کرتی ہے۔ سماج کا اصول حقیقت بتاتا ہے محبت بہتی ہوا کو رلاتی ہے۔ بوالہوس انسانوں نے اسے بیسوا بنا دیا ہے۔ اس عہد میں ''وفا ترکی'' انسانوں کا شعار بن چکی ہے۔ اس عہد کے حمام میں مرد ہی نہیں عورتیں بھی ننگی ہیں۔ وہ بھی اپنی صنف پر ٹوٹتے مصائب کے فروغ میں مردوں کے ساتھ برابر کی شریک ہیں۔

روبینہ فیصل کا گہرا علم اور باریک مشاہدہ انھیں بظاہر نظر آنے والی پرسکون حقیقتوں کے اندر موجود طوفانوں سے آشنا کرتا ہے۔ وہ طوفان جسے سماج کے ٹھیکے داروں نے دانستہ دبانے میں عافیت محسوس کر رکھی ہے۔ لیکن اس دور میں نئی طرز کی حقیقت آشنائی کی لہروں نے کچھ بھی تو پوشیدہ نہیں رہنے دیا۔ روبینہ فیصل جیسی نے مستور اور خفیہ وارداتوں

کو طشت از بام کر دیا ہے۔ ایسے میں ہم ورجینیا وولف، سلویا پلاتھ، فروغ فرخ زاد کو بھی یاد کر سکتے ہیں۔ روبینہ فیصل نے مرد حاکمیت کے سماج میں عورت کی بے عزتی کی داستان کو کھل کر بیان کیا ہے۔ روبینہ فیصل کا تصور شعر ان کی حقیقت جوئی کی عادت سے بر آمد ہوا ہے۔ ان کی آنکھ سے اگر کچھ مستور بھی رہتا ہے تو وہ بھی ان کی قیافہ شناسی کی بدولت طشت از بام ہو جاتا ہے۔ یعنی وہ انسان کی ہمہ وقت بدلتی نفسیات سے اس کے کوائف معلوم کرنے کی اہل ہیں۔ روبینہ فیصل کے اسی نوع کے شعری وصف نے انہیں شاعری سے حصول مسرت کے عمل سے دور رکھا ہے۔ وہ جھوٹی رومانوی خوشیوں کو خاطر میں لانے سے گریزاں ان غموں سے اپنے وجود کو سلگاتی رہتی ہیں جو انہیں ان کی علمی اور مشاہداتی تجزیاتی آنکھ نے ودیعت کیے ہیں۔ روبینہ فیصل نے اپنی شاعری میں انسانوں کے مابین باہمی رشتوں کا بخوبی جائزہ لیا ہے اور اس نتیجے کا واضح اعلان کیا ہے کہ ہوس پرستانہ خود غرضیوں نے انسانی سماج کو جنگل نما بنا رکھا ہے۔ انسان اگر حیوان بننے سے مسرت حاصل کر رہا ہے تو روبینہ فیصل اس عمل پر شدید تنقید کرتی ہیں۔ ان کی مختصر نظمیں انسانی سماج میں موجود معیشت، سیاست، ثقافت، اخلاق، مذہب، تصوف، مادی ترقی، سائنسی نشو و نما اور تمدنی صورت حال کی منفی قدروں کی نشاندہی سے عہدہ برآ ہوئی ہیں۔ ایسے میں انسان نے جن جھوٹی خوشیوں اور بے معنی مسرتوں کا سہارا لے رکھا ہے روبینہ فیصل نے ان کا بغور مشاہدہ کیا ہے اور اس امر کی وضاحت کی ہے کہ ان دنوں حقیقی وفا نام کی کوئی شے دستیاب نہیں ہے۔ روبینہ فیصل کو انسانی تعلقات میں دائمی نوعیت کی جینے کی کہانی کی تلاش ہے۔ جینے کی اس کہانی کا نام ان کے نزدیک انسانوں کے مابین محبت ہے۔ ان کے اشعار، افسانے اور مضامین ''محبت کے لئے روتے ہیں'' اس عمل کو وہ شاعری سمجھتی ہیں۔ اس عمل کی بنیاد بے غرضی پر ہے اور شاعرہ کہ ہر نظم اس بات کی جانب توجہ دلا رہی ہے کہ اس عہد میں محبت نہیں رہی اور ہر طرف وفا ترکی کی وبا انسانوں کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے۔

پیش لفظ

غیر رسمی سی شاعری بلکہ غیر شاعری کی رسم شاید اسی کتاب سے شروع ہو جائے۔ اسے میری خوش گمانی کہہ سکتے ہیں اور یہ خوش گمانیاں ہی ہیں جو انسان کو لمبی لمبی اڑانیں بھرواتی ہیں۔ ویسے تو میں ڈبکیاں لگا لگا کے اڑتی ہوں۔ اڑنے کا شوق میرا ذاتی ہے اور "ڈبکیاں" اندازے کی غلطی سے لگ جاتی ہیں۔ اس غیر شاعری کی کتاب میں، دو اور دو چار لائنوں میں زندگی کی خوبصورتی بھی ہے اور بدصورتی بھی۔

کینڈا میں ساؤتھ ایشین عورتوں میں ڈپریشن کی ڈاکومنٹری پر کام کرتے کرتے محبت، بے وفائی، دھوکے، نفرت کی ایسی صورتیں دیکھیں اور ان سے یہ نتیجہ نکالا کہ اصل میں خود سے محبت کروانے کے مریض، بڑی شدت سے کسی اور کو اپنی محبت کا یقین دلاتے ہیں۔ اس یقین دلانے میں وہ ہر حد سے گزر جاتے ہیں، چاہے پیروں میں بیٹھنا پڑے، یا جان سے گزر جانا پڑے (یہ نہیں کہ وہ جھوٹ بول رہے ہوتے ہیں) بلکہ وہ خود سے محبت کروانے کی غرض میں اس قدر غرق ہو چکے ہوتے ہیں کہ انہیں اس وقت وہ جھوٹ بھی سچ لگ رہا ہوتا ہے۔ یہ شدت پسند محبت کے مریض ہوتے ہیں۔ اور یہ جن سے محبت کے دعوے کرتے ہیں، انہیں برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔ ان سب کہانیوں میں مجھے جو دھوکہ اور بے وفائی نظر آئی، وہ اُس "غلط اندازے" کی تھی، جو دونوں فریقین سے سرزد ہوتی ہے۔ عورت بھول جاتی ہے کہ مرد صرف اسی کا ہوتا ہے جو اس کی ضرورت پوری کرنے کے قابل ہو، وہ ضرورت کچھ بھی ہو سکتی ہے، دوائی وقت پر کھلانے سے لے کر، تنہائی دور کرنے تک۔ مرد اپنی لگا میں ایسی عورت کے ہاتھ خوشی خوشی دے دیتا ہے۔ من سے وہ پکا سوداگر ہے، اس کا کیلکولیٹر

مسلسل چلتا رہتا ہے۔ بے وفائی وہ تب کرتا ہے جب اس کا کیلکولیٹر اسے بتاتا ہے کہ اب اس تعلق کو نبھانے میں نقصان ہے ، تو وہ جلدی سے اس عورت سے منہ موڑ کر رخ دوسری طرف کرلیتا ہے۔ منہ کتنا موڑتا ہے یہ بھی کہانی کہانی پر منحصر ہے۔ اور عورت کا دل اس لئے کرچی کرچی ہو جاتا ہے کہ مرد کی محبت کی کہانی کے آغاز میں وہ اسے آسمان پر چڑھا کر اس کے قدموں میں بیٹھا ہوتا ہے، اور وہ سمجھتی ہے یہ سین زندگی بھر ایسے ہی چلتا رہے گا، مگر سین ڈیمانڈ کے مطابق بدلتا رہتا ہے۔ اور عورت بکھر جاتی ہے۔ اس سے بچنے کی احتیاط یہ ہے کہ: عورت، خواب میں نہیں حقیقت میں زندہ رہے اور مرد کیمیکل لوچ کی شدت سے مرعوب نہ ہو۔

رولو کوسٹر اسی لئے خطرناک جھولا ہے کیونکہ بہت اونچائی پر لے جا کر ایکدم سے بندے کو نیچے پھینکتا ہے، یہ گہرا غوطہ انسان کی انتڑیوں تک میں بل ڈال دیتا ہے۔ یہ بل عورت کی انتڑیوں میں عمر بھر کے لئے پڑ جاتا ہے، جو کبھی ڈپریشن یا کبھی کینسر کے پھوڑے کی صورت جان کو چمٹ جاتا ہے۔

نفرت کی شدت محبت کی شدت کا ہی دوسرا روپ ہے کیونکہ محبت توانائی (energy) ہے جو ایک حالت سے دوسری میں تبدیل ہو جاتی ہے مگر کبھی ختم نہیں ہوتی۔

یہ محبت امر ہے
کبھی محبت کی شکل میں
کبھی نفرت کی شکل میں
مجھے تم سے ہمیشہ محبت رہے گی

میں نے اپنی ہتھیلی پر ٹوٹ جانے والی، تنہائی اور بے وفائی کا غم سہنے والی ساری عورتوں کے آنسو جذب کر کے یہ نظمیں لکھیں۔ اور جب میں ان کے لئے یہ سب کر چکی تو میرا اپنا دل بھی ہلکا پھلکا ہو گیا، جیسے میں نے بھی سارے پیئے ہوئے دھوکے اُگل دیے ہوں۔ اس کتاب میں کچھ پرانی کچھ نئی چھوٹی چھوٹی کہانیاں ہیں۔ افسانے لکھنے کا وقت نہ ملا تو یہ سب لکھ دیا۔ نہ لکھتی تو شائد دل پھٹ جاتا۔ میں نہیں جانتی ادب میں اس کتاب کا کیا مقام ہوگا۔

میری افسانوں کی کتاب "خواب سے لپٹی کہانیاں"، کو خالد احمد ایوارڈ مل چکا ہے۔ میرٹ پر ملا ہوا یہ ایوارڈ میری ادبی زندگی میں آکسیجن کی صورت شامل ہوا۔ ورنہ میں تو جعلسازیوں سے اوب کر ہمت ہار چکی تھی۔ یہ کتاب کتھارسس ہے، دل کے زخموں کا، اس لئے ان نظموں میں مایوسی، غم اور شکست ہے، جو آج کل بہت عام ہے مگر اس سب کے باوجود میرا پیغام "امید" ہی ہے۔ مانا کہ سچائی، خلوص اور وفا متروک ہو چکے ہیں، مگر "امید" وہ روشنی ہے جس سے کسی بھی قسم کا معجزہ اگ سکتا ہے۔ مایوسی میں ہمت ہار کر ڈپریشن کا شکار ہو جانا یا خودکشی کر لینا، ایک بہت رومانٹک انجام لگتا ہے۔ مگر یقین جانئے اس سے بھی زیادہ رومانس "لڑتے رہنے" میں ہے۔ creative یا حساس ہونے کا روایتی مطلب یہ ہے کہ وہ سست، اداس، قنوطیت پسند اور نشے میں دھت زندگی سے فرار کا راستہ ڈھونڈتے رہتے ہوں گے۔ انوکھا پن تو یہ ہے کہ آپ ایک حساس رائٹر بھی ہوں مگر پھر زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کے دیئے چیلنجز کا سامنا کرتے رہیں۔ مجھے لوگ خود پرست کہتے ہیں کیوں نہ خود کو پسند کروں کیونکہ میں تو "ہمت نہ ہارنے والی، اپنی امی کا عکس ہوں اور میری بیٹی میرا عکس ہے"۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہ دونوں خواب نہیں حقیقت میں رہتی ہیں اور میں خوابوں میں رہتے ہوئے بھی جم میں سب سے زیادہ سخت ورک آؤٹ کر سکتی ہوں، دھوکوں اور فریبوں سے بخوبی نکل سکتی ہوں، اور لامحدود ہو کر بھی خود کو محدود کر سکتی ہوں۔ اُن دو مختلف نسلوں جتنی مضبوط نہ سہی مگر ایک فائدہ مند مکسچر ہوں۔

افسانوں کے مجموعے کی اشاعت کے سلسلے میں ہونے والے تلخ تجربے کے بعد پردیس میں بیٹھ کر اس کی طباعت کا خود اہتمام کرنا، ایک مشکل کام تھا مگر کچھ بے لوث دوستوں کے تعاون نے یہ مرحلہ آسان کر دیا۔ جن میں جناب ظہیر بدر صاحب کا نام قابل ذکر ہے۔

اس کتاب کو قاری تک پہنچانے کا ذمہ مکتبہ جدید، کو پرا، سانجھ (لاہور) اور بک کارنر (جہلم) نے اٹھایا ہے۔ دلی خواہش اور دعا ہے کہ اللہ انھیں کامیاب کرے۔

پیشے کے اعتبار سے چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ طارق راؤ، کی جادوئی آواز میری نظموں کی

صوتی تصویر بنانے میں نہایت خوش دلی کے ساتھ ہمہ وقت مصروف ہیں۔امید ہے جلد ہی ان کی مخلصانہ کاوش صوتی اور بصری صورت (آڈیو اور ویڈیو) میں منظر عام پر آجائے گی۔ان کا تہ دل سے شکریہ۔

ثمرانہ خان، میرے لفظوں سے اور مجھ سے یکساں محبت کرتی ہے۔اِس کتاب کا سرورق اور کچھ نظموں کو تصویروں میں ڈھالا ہے جو اس کی مجھ سے بے پایاں محبت کا اظہار ہے۔ٹائٹل میں عدیل نے بھی مدد کی۔

ڈاکٹر خالد سہیل نے میری ادبی زندگی کے آغاز میں ہی مجھے دریافت کر لیا تھا اور انہیں میری مخبری پرویز صلاح الدین نے کی تھی اور فیصل فارانی کی حوصلہ افزائی ہمیشہ میرے ساتھ ہوتی ہے۔

رضوان احمد، یک پختہ مزاح نگار اور ابھرتا ہوا شاعر، ادبی مہم جوئیوں میں بڑھ چڑھ کر ساتھ دینے والا، خاص شکریہ۔ڈاکٹر ستیہ پال آنند کے بڑے پن کا ذکر کرنا ضرروی ہے جنہوں نے نہ میرے فون کا انتظار کیا نہ لمبی چوڑی خوشامد بھری ای میل کا، بس رضوان کے زریعے بھیجے گئے مسودے کو کافی جانا اور بغیر کسی hubris کے میری نظموں کے لئے لکھا۔ کشور ناہید صاحبہ کا بھی شکریہ۔

مظہر شفیق میرا حوصلہ بڑھانے میں کبھی نہیں چوکتے اور ہمیشہ میرے شانہ بشانہ کھڑے ہوتے ہیں اور ان کی بیگم ثمرہ بھابی، ہمیرا طارق کی بھی شکر گزار ہوں۔

جاوید چوہدری صاحب! میری ہمہ وقت حوصلہ افزائی کے حقدار ہیں۔

عمران علی!! زندگی کی دھوپ چھاؤں میں، ہر پل ساتھ دینے کی کوشش کرتے ہو۔

میں اپنے ہیلی کالج ،ایف سی کالج اور پنجاب بنک کے پرانے دوستوں کی محبتوں کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں، جنہوں نے مجھ میں کھوئی ہوئی روبی کو پھر سے زندہ کیا، ورنہ تو کینڈا کی سرد ہواؤں اور نئے لوگوں کی سرد اور متلون مزاجی مجھے مرجھا دینے پر تلی ہوئی تھی۔

میرے شوہر فیصل کی محبت اور وفا اور میرے چار پھول جیسے بچوں، امی ابو، بہن بھائیوں، بھانجے بھانجیوں، بھتیجے، بھتیجیوں کی محبتیں یہ سب شاید میری چیدہ چیدہ نیکیوں کا صلہ ہیں۔ خاص طور پر میری بڑی بہن ڈاکٹر افشاں اور بہنوئی رافع بھائی، جو مجھے چہکتا نہ دیکھیں تو میری دلجوئی کرنے پہنچ جاتے ہیں۔ میرا چھوٹا بھائی عدنان، جس کا دل خلوص سے بھرا ہوا، ہمیشہ میرا ساتھ دیتا ہے۔ اور میری "پہلی محبت" میری بھانجی سارہ، اسکے لئے تو ایک نظم بھی اس کتاب میں شامل ہے، میری بہن فوزیہ کی موت مجھے آج تک دہلاتی ہے۔ اور اپنی امی کو اور زیادہ محبت کرتی ہوں کہ انہوں نے جوان بیٹی کی موت کا دکھ بھی، زندگی میں ملنے والے ہر چیلنج کی طرح، بہادری سے قبول کیا ہے۔

مشکل کے دنوں کی ساتھی، میری جم بڈی، Shanz ہے جس نے میری زندگی کی کچھ تاریک دنوں میں، جنوری 2017 کی برف باری میں، میرا سرد ہاتھ تھامے مجھے واک کرواتے ہوئے میرے آنسو اپنی ہتھیلی سے صاف کئے تھے اور پھر میرے سٹڈی روم کی اچھی بری یادوں کی گرد کو اپنے ہاتھوں سے صاف کرتے ہوئے کہا تھا:

"میں اس روبینہ کو مٹنے نہیں دوں گی جو مایوس لوگوں کی اندھیری دنیا میں روشنی ہے، یہاں بیٹھو، اپنا قلم پھر سے پکڑو اور لکھنا شروع کردو"۔

یہ کتاب اور میرا اگلا آنے والا ناول یا اس کے بعد جو بھی لکھا جائے، یہ ان سب محبت کرنے والوں کی وجہ سے ممکن ہوگا جنہوں نے مجھ سے کسی مفاد کی خاطر نہیں بلکہ مجھ سے میرے لئے محبت کی اور میرے لفظوں سے پیار کیا۔ یہ کتاب شائد بہت سے ٹوٹے دلوں کا مرہم بن جائے۔ اور جس روشنی کی امید مجھ سے کی جاتی ہے، یہ اس کی کوئی بھولی بھٹکی کرن ہو۔

روبینہ فیصل (کینڈا)

31-3-2018

ایک نظم: روبینہ کے لیے

محمد ظہیر بدر

اے دور دیس میں بیٹھی بے وقوف لڑکی
تمھیں یہ الٹا سبق کس نے پڑھایا تھا
کہ زندگی دوسروں کے دکھ محسوس کرنے کا نام ہے
وطن سے دور تم دنیا بھر کے چینلوں کو چھوڑ کر
ٹوٹی ہوئی خبروں سے بھرے ہوئے پاکستانی چینل کیوں دیکھتی ہو
خونی خبریں، ونی، عصمت دری، تیزاب گردی، خودسوزی
تم اپنی بیٹی کو باہوں میں سمیٹ کر
دیوانہ وار چومنے لگتی ہو
تا دیر روتی رہتی ہو
اوہ شٹ!! کہہ کر چینل تبدیل کیوں نہیں کر لیتی
دنیا بھر کے اخبارات ورسائل چھوڑ کر
تم پاکستانی اخبارات پڑھتی ہو
ہیرلڈز ٹائمز، نیوز ویک، وال سٹریٹ جنرل کے بجائے
پاکستانی اخباروں میں کالم کیوں لکھتی ہو
قدامت پسند،
بنیاد پرست، رجعت پسند

تمھارے پاس لہو لفظوں کے سوا ہے کیا
تیسری دنیا کی پس ماندہ عورت
یہ دشنام سن کر بھی تم عورت، پاکستانی عورت کہلانے پر فخر کرتی ہو؟
او ڈرٹی مسلم!!
سن کر بھی تم مسلمان ہونے پر فخر کرتی ہو
پھولوں سے لدے سبزوں سے بھرے پارک دیکھ کر
تمھارا دل باغ جناح کو کیوں یاد کرتا ہے
سریے اور کنکریٹ کے بھرے فلک بوس پہاڑ اور
فرنش غاریں اژدہوں کی طرح کنڈلی مارے
طویل و عریض شاہراہوں میں
آٹو موبائل بن کر سڑکوں پر بہتی دولت دیکھ کر
تمھیں خون پسینے سے گندھی مٹی کے مکان، کچی کیچڑ سڑکیں کیوں یاد رہتی ہیں
تمھارا دل، وطن کی غربت کے لئے کیوں دھڑکنے لگتا ہے
طوائف راتوں کے رقص، ہوش اڑاتی دھنوں
خوشبوئیں بکھیرتے دھوئیں اور انگور کے لہو کی مستی
تمھیں منٹو کیوں بھاتا ہے، کرشن چندر کیوں اچھا لگتا ہے
تم اپنی گفتگو میں شیکسپئر کے جملے کوٹ کیوں نہیں کرتی
تمھیں سارہ شگفتہ کی نظموں میں رستی سسکتی انسانیت
اور اس کی سڑاند میں کیا دلکشی نظر آتی ہے
تم عورت پر عورت کے استحصال کی بات کیوں کرتی ہو
مرد کو خدا کی راندہ مخلوق قرار دینے میں تمھیں کیا تامل ہے
تم مرد مردہ باد کا نعرہ کیوں نہیں لگاتی
اے ہوش مند لڑکی!...... تم کیا چاہتی ہو
کیا ثابت کرنا چاہتی ہو!

"ہر انسان کے اندر ایک Phoenix رہتا ہے۔ جب ہم کسی گہرے دکھ سے ابھرتے ہیں تو...... یہ اسی پرندے کی ری برتھ ہوتی ہے، آباؤ اجداد کی راکھ سے نہیں بلکہ اپنے ماضی کی راکھ سے۔ من میں بسے اسی پرندے کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے، انسان پر خود کی کھوج کا سفر فرض ہو جاتا ہے مگر ہم دنیا داری کی سنتیں ادا کرتے رہ جاتے ہیں اور...... فرض کسی غلاف میں لپٹا پڑا رہتا ہے۔"

روبینہ فیصل

تلاش



زندگی کے درازوں کو کھول کھول کر دیکھتی ہوں
کہاں ہو تم؟ پردوں کے پیچھے، الماریوں کے اندر
ہر جگہ دیکھتی ہوں۔ کہاں ہو تم؟
تمھیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے میرے سارے جسم پر
آنکھوں کے نیلے نشان پڑ گئے ہیں
اور ان کے گرد سیاہ دائرے ابھر آئے ہیں
مگر تم ہو کہ ملتے ہی نہیں ہو
کہاں ہو تم؟
میں تو ہر بند دروازہ اس امید پر کھولتی ہوں کہ
تم سنہرے دل اور روشن ستارہ جیسی آنکھوں
کے ساتھ ادھر کھڑے ہو گے
مگر وہاں تو ماسک پہنے کبھی تین آنکھوں والا دیو
کبھی سرکس کا کوئی مسخرہ
اور کبھی کوئی زہریلا بچھو مجھے ڈرا دیتا ہے۔
پھر بھی امید کا ایک جگنو ہے جو میرے کان میں کہتا رہتا ہے
اس دروازے اور ماسک کے پیچھے سے کبھی تو "تم" بھی نکلو گے

میری گٹھری

کپڑے، برتن پلنگ اور الماریاں
وہیں بیچ آئی
اپنی ڈائریاں، دوستوں کے خطوط اور عید کارڈز
وہیں جلا آئی
بچپن، لڑکپن اور جوانی
وہیں دفنا آئی
جب یہاں مہاجروں کی گٹھریاں کھولی گئیں
میرے سامان میں دو بچوں کے کپڑوں
اور سوائے چند کتابوں کے اور کچھ نہیں تھا۔

انجام

جب خالی سیپی جیسا کوئی انسان نظر آئے
تو سمجھ جانا کہ کبھی اس کی خوشی
دوسرے انسانوں کو خوش کرنے میں ہوا کرتی تھی

تاریخ خود کو دہراتی ہے

دوسری عورت" کو آج "پہلی عورت" کی پتھر آنکھوں کا وہ خاموش پیغام
اپنی آنکھوں میں "تیسری عورت" کے لئے نظر آیا۔
مگر جانتی ہے جوشِ محبت میں '' تیسری '' اس پیغام کو نہیں پڑھے گی
بالکل اسی طرح جیسے اس سے "اپنے وقت" میں یہ نہیں پڑھا گیا تھا کہ
"آج جو مرد اپنی خوشی کے لئے مجھے چھوڑ رہا ہے
کل وہ اپنی ہی خوشی کے لئے تجھے بھی چھوڑ دے گا
تب کیا کرو گی؟"
کاش "تیسری عورت"، "پہلی" کا یہ پیغام
"دوسری" کی آنکھوں میں آج ہی پڑھ لے
مگر وہ جانتی ہے ایسا نہیں ہوگا
وہ کل ہی پڑھے گی۔
جب تاریخ اپنی چال چکی ہوگی

نامرد

جو عورت کو adult shop میں بکنے والے
مصنوعی جنسی کھلونے سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے

Move on

ویسے کا ویسا ہی رہوں
ہر دم تمھارے نخرے اٹھانے والا
تمھیں ایک پل میں سو سو بار منانے والا
تمھارے سارے آنسو پی جانے والا
تمھاری خوشی کی وجہ
تمھاری اداسیوں کا ساتھی
تم پر دھوپ کا سایہ بھی برداشت نہ کرنے والا
تمھارے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے اپنی زندگی کا
ٹائم ٹیبل ترتیب دینے والا
تمھاری چھوٹی چھوٹی باتوں میں دلچسپی لینے والا
تم پر محبت کی پہلی اور آخری نظم لکھنے والا
ایسا ہی رہوں ہمیشہ؟
کھڑے پانی کو بھی زنگ لگ جاتا ہے
میں تو پھر انسان ہوں
تو کیا میں زنگ آلود ہو جاؤں؟
بے وقوف عورت!!
مجھے معاف کرو، مجھے بہنا ہے
اور بہتے ہی رہنا ہے

بچھو اور میں

بچپن سے بچھو کی پڑھی گئی کہانی کا اخلاقی سبق تھا کہ
نیک انسان نے اس کے ساتھ جتنی بھی نیکی کی
اس نے ڈنگ ہی مارا
نانی بتاتی تھی کہ:
بچھو کا قصور نہیں وہ اپنی فطرت سے مجبور تھا
اور میں بھی اپنی سنی سنائی باتوں پر
یقین نہ کرنے والی فطرت، سے مجبور تھی
سو بچھو کو گھر کے پیالوں میں کھلایا پلایا
اس وقت تک جب تک
اس ڈنگ مار نے میرے سارے گھر کو زہر آلود نہیں کر دیا
اخلاقی سبق :
بچھو کی فطرت نہ بدلی
مگر میں سر سے پاؤں تک تبدیل ہو گئی

بات کچھ اور ہے

گریجویشن کی ٹوپی پہنے
وہ کسی پہاڑ کی طرح میرے سامنے سر اٹھائے کھڑی ہے
ساری کائنات کی روشنی اس کی آنکھوں میں ہے۔
کیا یہ میری بیٹی ہے؟ اتنی مضبوط ! اتنی پر اعتماد!
کیا میں بھی نوجوانی میں ایسے ہی تھی؟
میں نے اپنی ماں کی طرف دیکھا وہ بھی چٹان نظر آئی
تو کیا میں بھی بڑھاپے میں ایسی ہی ہونگی؟
تو گویا بات عمر اور زمانے کی نہیں، جینز کی بھی نہیں
ورنہ میں ان دونوں جیسی نہ ہوتی؟
مگر میں تو ان کے مضبوط اور اٹھے ہوئے سروں کے درمیان
سر گھٹنوں میں دبائے جھکی سی کھڑی ہوں
تو اصل بات کیا؟

تکمیل ہی میں نجات ہے

ادھوری موت ،ادھوری زندگی
اور ادھوری محبت
کیا ان تینوں میں سے کسی کو
مکتی ملتے دیکھا گیا ہے؟

گرگٹ بے چارہ



جیسے درخت کا ساتھ چھوڑنے سے پہلے
پتے کا رنگ بدلنا شروع ہو جاتا ہے
بالکل اسی طرح!
چھوٹی چھوٹی باتوں پر گھنٹوں منانے والا
جب بڑی بڑی باتوں پر ایک منٹ بھی نہ منا پائے
تو سمجھ جائیں وہاں بھی تبدیلی کا آغاز ہو چکا ہے
اور وہ بھی جانے والا ہے
تبدیلی پتے کی ہو یا انسان کی
چھوڑ جانے سے پہلے رنگ دونوں ہی بدلتے ہیں
مگر بدنام صرف گرگٹ ہے

بے وفائی کی سزا



اصولاً بے وفائی کی سزا موت سے کم بنتی نہیں
ہممممم۔!!
ایسا ہو جائے تو یہ دنیا انسانوں سے خالی ہو جائے
اور ہر طرف کتے ہی کتے ہوں۔۔۔۔بس کتے!!

روزِ قیامت

وہ جب اپنے بکھرے ٹکڑوں کو کانپتے ہاتھوں سے سمیٹ رہی تھی
اپنی آنکھوں کے نمکین پانی کو اپنے ہی حلق میں نگل رہی تھی
اس وقت ------ اس وقت!
اسکی چاہ کا دم بھرنے والی آنکھیں
بس لاتعلقی سے اسے دیکھ رہی تھیں
ایسے منظر کے بعد...... اسی لمحے
اس کے اندر صور پھونک دیا گیا
جس سے اس کا دل پھٹ گیا
اور سارے زمانوں کی محبت روئی کے گالوں کی طرح ادھر اُدھر اڑنے لگی
نفرتوں کے سب مردے قبروں سے نکل کر اس کے اندر اودھم مچانے لگے
اور قیامت آگئی، قیامت آگئی کا شور چاروں طرف رقص کرنے لگا
اور اس کا رنگ عمر بھر کے لئے فق ہو گیا۔

خود شناسی

تجھ کو کھویا
تو خود کو پایا---- (کہتے ہیں" کہ" خدا کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے)

سارہ شگفتہ کی نجات

وہ اپنے لفظوں سے اپنی روح کے زخم بھرنا چاہتی تھی
اور انہی لفظوں سے دنیا کو بھی ہرانا چاہتی تھی
وہ لفظوں کی یہ دوہری گیم سنبھال نہ سکی
اور دنیا نے اس کے جسم کو فتح کر کے
اس کے لفظوں ہی کو ہرا دیا۔
وہ نمانی اس ظلم سے فرار کے لئے ٹرین پر بیٹھ کے نہیں بھاگی
بلکہ اس کے آگے جا کر آنکھیں موندے لیٹ گئی
سنا ہے اس کا جسم کچلا گیا تھا
مر گئی تھی
مگر کیسی موت مری؟
کیسا فرار پایا؟
کہ
آج تک اس کی روح کچلے ہوئے جسموں میں زندہ ہو جاتی ہے
اور سارہ شگفتہ !!
"بدبختی" کا استعارہ بنے تا قیامت اسی دنیا میں بھٹکتی رہے گی
ایسی دنیا میں اُس کی نجات ناممکن ہے

باوفا شوہر

لڑکیوں کی مائیں جب مر جاتی ہیں تو
کبھی گھر کو سنبھالنے اور
کبھی اُن لڑکیوں کو سنبھالنے کے نام پر
باپ دوسری شادی کر لیتا ہے
وہ دوسری عورت کو اپنی ماں کی جگہ لیتے دیکھتی ہیں
اور دل ہی دل میں کڑھتی ہیں
کڑھ ہی سکتی ہیں!
باپ سے محبت بھی کرتی ہیں اور ڈرتی بھی ہیں
مگر جب لڑکوں کی مائیں مرتی ہیں تو
وہ باپ کے گریبان تک پہنچ جاتے ہیں
خبردار!!!
ہماری ماں کے بنائے گھر میں کسی اور عورت کو لانے کا سوچا بھی تو!!
باپ اُن سے محبت بھی کرتا ہے اور ان سے ڈرتا بھی ہے
اور لوگ کہتے ہیں
واہ واہ!!
کیا مرد ہے کیا باوفا شوہر ہے!!

Scope

جسم کی موت نظر آتی ہے
اسی لئے، اس کی تدفین بھی ہو جاتی ہے
اور جسم سکون پاتا ہے
روح کی موت نظر نہیں آتی
اسی لئے، روح بھٹکتی رہتی ہے
اور سکون نہیں پاتی
یوں مینٹل ہسپتال میں مریضوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے
اسی لئے اب مائیں بچوں کو جسم کا ڈاکٹر بنانے کی بجائے
دماغی امراض کا ڈاکٹر بنانے کے بارے میں سوچنے لگی ہیں
کیونکہ آج کل اسکا سکوپ بڑھتا جا رہا ہے

کینسر

ایک ساتھی کے خون میں
بے حسی ، بے وفائی بیگانگی اور بے مروتی
کے بلیک بلڈ سیلز بڑھ جائیں
تو دوسرے ساتھی کے جسم میں
جان لیوا ٹیومر کے وائٹ بلڈ سیلز بڑھ جاتے ہیں

اب ڈر نہیں لگتا

ایک ڈر تھا تنہائی کا اور ایک ڈر تھا جدائی کا
جو مسلسل میرے ساتھ رہتا تھا
کل کا دن جو گذر گیا
لگتا تھا اِس بوجھ کو کبھی اٹھا نہ پاؤں گی
آدھے ادھورے راستے ہی میں مر جاؤں گی
مگر "کل" کا دن بھی آ ہی گیا
اور ریت کا وہ گھروندہ بھی ساتھ بہا لے گیا
جس میں رکھے تھے میں نے
رنگ برنگ کے پیارے پتھر
تتلیوں کے پر اور مور پنکھ
پھولوں کے سب رنگ
اور آسمان کی دھنک
گلہری کا ادھ کھایا اخروٹ؟
مرغابی کے پروں تلے بیٹھے اُس کے بچے
پھر مجھ پر اتری وہ دھوپ
جس نے مجھ سے میرا وجود چھین لیا
اور سب بے رحم وقت کی موجوں کے ساتھ بہہ گیا
اور پھیل گیا چار سُو قبر جیسا اندھیرا

مگر
کل سفید دھوپ جاتے جاتے ایک احسان تو کر گئی
مجھ کو میرا سایہ لوٹا گئی
اور میں مرتے مرتے بچ گئی ورنہ
میرے گرد تمام عمر آوازوں کے بچھڑنے
جسموں کے کھو جانے
اور رویوں کے بدلنے کے اندیشے
دندناتے رہتے تھے
کل کے دن نے وہ سب اندیشے مار دیئے
اور میں جو خود سے بچھڑی ہوئی تھی
جھٹ سے اپنے آپ سے آملی
اور اب وہی مور پنکھ، وہی جھیل
وہی مرغابی کے بچے اخروٹ کھاتی گلہری اور؟
رنگ بکھیرتی تتلیاں
میرا سایہ ان سب مردہ مناظر کو میرے اندر حنوط کر کے بیٹھ گیا ہے
میں اب اس کی پناہ میں ہوں
جس کے نہ بدلنے کا اندیشہ، نہ بچھڑنے کا وہم
اب تنہائی اور جدائی سے ڈر نہیں لگتا
اب میں اپنی پناہ میں ہوں

ایسا ضروری تو نہیں



جب زمین خزاں کے رنگین پتے اوڑھ لے
تو تمھیں بھی میری طرح ان پتوں میں سے صرف
دو چہرے ہی جھانکتے نظر آئیں
ایسا ضروری تو نہیں!
بادلوں کے سفید گالوں میں، میری آنکھوں کو
جو عکس نظر آئے، جو نقش نظر آئے
وہی تم بھی دیکھو
ایسا ضروری تو نہیں!
درختوں کے سرسراتے پتوں کی آواز میں میری ترستی سماعتوں کو
جو نرم گرم آوازیں سنائی دیں، تم بھی وہی سنو!
ایسا ضروری تو نہیں!
وہ ننھا سا بھیگا ہوا اور پیار کو ترسا ہوا کتا
جن پاؤں سے لپٹنے کے لیے
ادھر اُدھر بھاگ رہا ہے
تم بھی یہی سمجھو
وہ ہمارے پاؤں ہیں
ایسا ضروری تو نہیں!
شناسا راستوں پر چلتے ہوئے تمام انسانوں کے چہرے

بس دو چہروں (ایک میرا اور ایک تمھارا) تک آ کر ٹھہر جائیں
تمھیں بھی یہی نظر آئے
ایسا ضروری تو نہیں!
میرے دل میں ٹھہرے ہوئے مناظر
میرے اندر اور باہر کی موت کا ماتم کرتے رہیں
اور تم بھی ان کے ماتم میں تمام عمر شامل رہو
ایسا ضروری تو نہیں!

سمجھوتہ



چیختا چنگھاڑتا، منہ سے جھاگ نکالتا سمندر ایکدم سے خاموش ہو جائے
تو خوش نہیں بلکہ ہوشیار ہو جاؤ کہ وہ کوئی بڑا طوفان پی گیا ہے۔
کوئی زخمی پرندہ تکلیف سے کرُلاتے کرُلاتے ایکدم خاموش ہو جائے
تو یہ نہ سمجھو اس کا زخم بھر گیا ہے بلکہ ہوشیار ہو جاؤ کہ زخم اندر تک اتر گیا ہے
کوئی ضدیں کرنے والا، روٹھنے والا، سوال کرنے والا انسان
ایک دم سے یہ سب چھوڑ کے بس خاموش ہو جائے
تو اس کا یا کلپ پر خوش نہیں بلکہ ہوشیار ہو جاؤ
کہ اس نے اپنے اندر سب سوال، سب مان، سب خواب دفنا دئے ہیں
ان سب خاموشیوں کو کندھا دینے سے پہلے
قاتل استغفراللہ پڑھنا نہ بھولیں

مشترکہ خواب

خواب میں نظر آنے والی آنکھیں
کبھی یوں ہی اچانک راہ چلتے آپ کے سامنے آ کھڑی ہوتی ہیں
تب آپ دو کام کر سکتے ہیں
یا تو ان آنکھوں سے نظریں چُرا کر راستہ بدل لیں
اور یا پھر آگے بڑھ کر اُن کو ہتھیلی پر سجا لیں
ہتھیلی پر سجانے کے بعد بھی آپ دو کام کر سکتے ہیں
یا تو انہیں وقت کے دھارے میں بہہ جانے دیں
اور یا ان آنکھوں کو وہیں رکھ کر بھول جائیں
بھولنے کے بعد بھی آپ دو کام کر سکتے ہیں
یا تو ان آنکھوں کو بالکل بھول جائیں
اور یا پھر اپنی آنکھوں میں اتار لیں
مگر خیال رکھیں!!!
ان آنکھوں کا سرا زندگی کے کسی اور خواب سے بندھا ہوا بھی ہو سکتا ہے
اور یا پھر چھپ کر کھڑی موت سے بھی
اگر آنکھیں موت سے بندھی ہیں تو آپ دو کام کر سکتے ہیں
یا تو ان کے ساتھ زندہ درگور ہو جائیں
یا پھر زندہ بچنے کے لئے ان آنکھوں کو شائستگی کے ساتھ الوادع کہہ دیں
اور اگر آنکھیں زندگی کا کوئی بھی خواب رکھتی ہیں تو

ایسا کیجئے انھیں اپنی آنکھوں کے خوابوں سے متعارف کروا دیجئے
ہو سکتا ہے وہ دونوں خواب ساتھ ساتھ چلنے لگیں
اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ
مکمل تعارف کے بعد بھی وہ اپنی اپنی سمت میں بہتے رہیں
آپ کے پاس دو صورتیں ہیں
یا تو ان خوابوں کو اپنی اپنی راہ لے لینے دیں
اور یا پھر انہیں اکٹھا کر کے اپنی آنکھوں میں قید کر لیں
مقید خواب دو کام کر سکتے ہیں
آسمان اوڑھ کر سو سکتے ہیں
یا پھر مشترکہ بوجھ سے آنکھوں کو بھاری کر سکتے ہیں
اور جب آپ کی آنکھیں خوابوں سے حاملہ ہو جائیں
تو پلکیں اٹھنے پر دو کام ہو سکتے ہیں
یا تو حمل ناجائز ہونے کے ڈر سے ضائع ہو سکتا ہے
اور یا پھر ایک مشترکہ خواب جنم لے سکتا ہے
جو آپ کی آنکھوں کو بالکل ایک نیا خواب بھی دے سکتا ہے
یا کسی صدیوں پرانے سوال کا جواب بھی دے سکتا ہے
یعنی جینے کا بالکل ایک نیا جواز اور انداز دے سکتا ہے
اور یہ بچہ آپ دونوں کا جائز بچہ کہلا سکتا ہے

دوسورج کا راز

میں آلاتِ جراحی تھامے
اپنا جسم کھولے اپنی ہی سرجری میں مصروف تھی
کہ اچانک
ایک تجربہ کار سرجن میرے پاس آ کر بولا
کون سا ناسور ہے جو تمھیں خود سے نکالنا ہے؟
میں نہیں جانتی!
مگر جسم میں ٹیسیں اور
دماغ میں جوار بھاٹا اٹھتا رہتا ہے
آنکھیں سوتی نہیں ہیں اور
ضمیر چوبیس گھنٹے بیدار رہتا ہے
آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے اور
ہونٹوں پر جمی ہوئی پپڑیاں
صدیوں پرانے مرض کا پتہ دے رہی ہیں
یہ روگ میری سمجھ سے باہر ہے
یہ روگ مجھے کھائے جا رہا ہے
آج ایک ایک عضو کھول کے دیکھوں گی
آج اپنے ہی ہاتھوں اپنی مرمت کروں گی
یہ سن کر وہ جہاندیدہ سرجن مسکرایا

میری شہ رگ کے قریب ہاتھ رکھا اور
کہا سارا جسم پھر سے لپیٹ کر رکھ دو
اور بس اس ایک رگ کو کاٹ دو
"ناسور یہاں ہے"۔ جہاں لوگوں کا خدا رہتا ہے
اسی شہ رگ میں تمھارا سچ رہتا ہے
جو تمھارے دل و دماغ میں فتور پھیلاتا ہے
اس سچ کی رگ کو ہی کاٹ دو
تمھارے جسم میں یہی زہر پھیلاتا ہے
اور اس کے بعد کا نسخہ بھی لکھے دیتا ہوں
جھوٹ کے غبارے میں تاحیات کے لئے آکسیجن بھر لینا اور
جسم کی ساری رگوں میں چھوڑ دینا
سچ کے سورج کو زہر اور مصلحتوں کے چاند کو اینٹی بائیوٹکس دے دو
میں نے دکھ بھری آنکھوں سے ڈاکٹر کو دیکھا
پھر اس نے میری زبان کا معائنہ کیا
اور کہا "کیا کہنا ہے؟" یہ ضروری نہیں
"کیا نہیں کہنا؟" یہ ہنر سیکھ لو
دنیا میں جینے کا یہی قرینہ ہے
یہی سیکھ لو
ایک ایک چمچ جھوٹ
صبح، شام اور دوپہر بولو!
افاقہ ہوگا
تم جلد ہی دنیا میں رہنے کے قابل ہو جاؤ گی
میں بھی اس کوڑھ سے تنگ آ چکی تھی

آلاتِ جراحی وہیں پٹکے
ایک ننھی سی قینچی اٹھائی
اور بس شہ رگ کے پاس سے جاتی سچ کی رگ کو کاٹ دیا
دھیرے دھیرے خون ٹپکنے لگا
اور اس کا سرخ رنگ جب کالا ہو گیا تو
جسم کے اندر سے ایک سورج کے مرنے کی آواز آئی!
اسی دن اخبار میں ایک معجزے کی خبر آئی
"آج نارتھ امریکہ کے افق پر دو سورج جگمگاتے پائے گئے ہیں۔"

اندھیرا

زندگی کے آنگن میں سدا کے لئے شام اس وقت اتر آتی ہے
جب آپ کی ان کہی باتیں سننے والا، ان بہے آنسو پینے والا
لنگڑا، لولا، گونگا اور بہرا بن جائے ۔۔۔۔اور
اس وقت بھی جب آپ پگھل پگھل کر بہہ رہے ہوں
اور چیخ چیخ کر ننگے فرش پر سر پٹخ رہے ہوں
وہ نہ آپ کو رکنے کے لئے آواز دے
نہ آپ کی بات سننے کو اپنے کان دے
اور نہ بھاگ کر آپ کا ہاتھ تھامے اور
اور نہ اس کی زبان سے نکلے

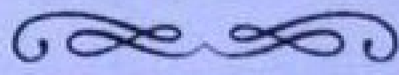
شاعر کی بیوی

سنیئے!!
ایک غزل لکھنے کے لیے شاعر کو
درکار ہے ایک عدد عورت
اور حساب کے کلیہ کے مطابق
بہت سی غزلیں کہنے کو بہت سی عورتیں
اور پھر
اُن کی آنکھیں اور اُن میں تیرنے والی ڈوریاں
اُن کی گول کلائیاں اور مٹکتے ہوئے کولہے
اُن کے انار جیسے رخسار اور پنکھڑیوں جیسے لب
ان کی محبوب ادائیں اور نازک اٹھکیلیاں
ان کی پر لذت محبتیں اور کرب ناک بے وفائیاں
اس میں شاعر کا کیا قصور
کیونکہ یہ گھوڑا گھاس سے دوستی کرے گا تو ہی کھائے گا
اور پھر ایسے گھوڑوں کی اپنی گھوڑیاں
مرد نما نام رکھ کر مرد سی ہی ہو جاتی ہیں
اور اپنی محرومیوں کا انتقام
ہر مسکراتے چہرے سے لیتی ہیں

Moral

کئی سالوں تک شہزادی ، اپنے ہیپی پرنس کے انتظار میں
آنکھوں میں امید کا جگنو اور ہاتھوں میں محبت کی تتلی سمیٹے بیٹھی رہی
مصلحتوں کی قید میں سچی محبتوں کا انتظار کرتی رہی
اور یوں بیٹھے بیٹھے ایک دن
انتظار کی مدت طویل ہوئی اور زندگی کی مہلت گھٹنے لگی
تو امید کے سب جگنو اور محبت کی تتلیاں سب اڑ گئیں
اور وہ سمجھ گئی کہ اس دنیا میں ہیپی پرنس نہیں ملتے
اگر کوئی پرنس ہے بھی تو وہ اپنی ہی happiness کی قید میں ہے
سب کو اپنے راستے کے پتھر خود ہی چننا ہوتے ہیں
اپنے آنسو بھی خود ہی پینا ہوتے ہیں
اپنے خوابوں کی تعبیر ڈھونڈنی ہو یا اپنی حفاظت کرنی ہو
سب کام خود کرنے پڑتے ہیں
کیونکہ — یہاں سب شہزادے خود سے محبت کرتے ہیں
اسی لئے شہزادیوں کو بھی خود سے خود ہی محبت کرنا پڑتی ہے

Are you suffering from a bipolar disorder?



وہ جب اس کے بارے میں سوچتا ہے
اس کو توجہ سے دیکھتا ہے
پیار سے اس کے لب چومتا ہے
تو وہ خوشی سے نڈھال ہو جاتی ہے
اپنا سب کچھ اُس پر وار دیتی ہے
اور پھر جب وہ اسے سوچتا نہیں
اس کی طرف دیکھتا تک نہیں
تو وہ تڑپتا جاتی ہے
چیخ چیخ کے اسے اپنی طرف متوجہ کرتی ہے
تو وہ الجھ کر اور دور بھاگتا ہے
وہ اور گالیاں بکتی ہے
اور اس کی نفرت میں بدحال ہو جاتی ہے
وہ حیرانی سے پوچھتا ہے
یہ کیا تماشا ہے
کبھی اتنی محبت کبھی اتنی نفرت
یہ کیسا ایک سو اسی ڈگری کا ٹرن اباوٹ ہے؟

اب کہانی لکھی جائے گی



اب فرصت ہے؟ اب کہانی لکھی جائے گی؟
ہاں!! شاید۔۔نہیں بلکہ یقیناً۔۔ضرور
بچے بڑے ہو گئے ہیں
مجھ سے پوچھے جانے والے تو تلے سوالوں کے جواب انہیں مل چکے ہیں
اوران کے پاس اب میرے سوالوں کے جواب دینے کا وقت نہیں ہے
ان کے ننھے ننھے کام بڑے ہو کر میری پہنچ سے دور ہو گئے ہیں
میرے ماں باپ بھی چپ سے ہو گئے ہیں
ان سے کرنے کو میرے پاس بھی کوئی شکوہ شکایت نہیں
فون کرنے والے دوست جو اسی لمحے کے انتظار میں
بے مقصد باتیں کیا کرتے تھے
اب وہ بھی کسی اہم مقصد کی تکمیل میں لگ گئے ہیں
چاہتوں کے دعوے دار اتنی ہی لگن سے کسی نئی چاہت کی تلاش میں لگ گئے ہیں۔
خوابوں کو تکمیل کی خواہش نہیں وہ کم بخت بھی مرکھپ چکے ہیں۔
اب فرصت ہی فرصت ہے سناٹا ہی سناٹا ہے
اور صرف اس کہانی کا شور ہے
جو میں نے کہنی تھی، ابھی تک کہی نہیں
اب کہہ دوں گی!
ہاں!! اب کہانی لکھی جائے گی

انجامِ محبت

اُس محبت نے اُس کے پروں کو بہت طاقت بخش دی
وہ بہت اونچا اڑنے لگی
اس کی پرواز میں غرور آ گیا
آنکھوں میں سرور آ گیا
اور پھر ایک دن جب وہی محبت
پہلے اکتاہٹ اور پھر حقارت میں بدل گئی
تو وہ آسمان سے زمین پر آ گری
اس کی جون ، پرندے سے کیڑے میں بدل گئی
اعتماد ریزوں کی صورت بکھر گیا
اور اب وہ
زمین پر رینگتے ہوئے خوفزدہ ہو کر
سر اٹھا کر دیکھتی ہے
کہ پھر سے کوئی اُسے پاؤں تلے کچل نہ دے
اور وہ بے نام ونشان نہ ہو جائے

محبت کا مضمون ممنوع ہونا چاہئے



جنابِ عالی!!
جنگل نما معاشرے میں
جہاں انسانی ہڈیاں اور بوٹیاں
تول کے بکنے لگ جائیں
زندگی میں غم سچے اور خوشیاں جھوٹی رہ جائیں
ہجوم میں لوگ اپنا اپنا خدا ڈھونڈیں
دلوں کی سیاہی کو فوٹو شاپ سے چھپا لیا جائے
سچے لفظوں کی قیمت استعمال کی اشیا کے
گراف میں سب سے نیچے آ جائے
اور جھوٹ سب سے مہنگا بکنے لگے
خوشیوں اور غمیوں کے تمام جذبے سوداگر ہو جائیں
موت پر افسوس رسمی اور تماشے عظیم الشان لگنے لگ جائیں
ناگہانیوں پر ردالیوں کی تعداد زیادہ اور
اصلی غم منانے والے کم پڑ جائیں
تو جنابِ عالی ایسے حالات میں
محبت کا مضمون ممنوع ہونا چاہیے

۲۰۱۷ء



یہ اکیسویں صدی کا سترہواں سال ہے
جس میں عاشق، دل اور دماغ
محبوباؤں کے نہیں
ڈاکٹروں کے حوالے کرتے ہیں
جو دل کی دھڑکن سے اور
دماغ کے نیورون سیلز سے
محبت کو نکال باہر پھینکنے کی
دوائیں لکھ لکھ کر دیتے رہتے ہیں

کامیابی



اگر کوئی تمغۂ کارکردگی برائے محبت ہوتا
تو!
تمہارے کمرے کی تمغوں سے بھری دیوار
آج بالکل خالی پڑی ہوتی

وقت وقت کی بات ہے



مرد ، پیار میں پہلے پہل احساس ملکیت (possession) کو
اور اُس سے اٹھنے والے عورت کے حسد کے جذبے کو
اُس کے پیار کی شدت کہہ کر اس پر خوب پیار لٹاتا ہے
اور پھر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے
جب اس کا دل اس نازنین سے بھر جاتا ہے
تو اُس نادان کی اِسی شدت کو
obssessive compulsive behaviour کہہ کر
اپنی رسیاں تڑوا کر بھاگ جاتا ہے
یہ احساس کیے بغیر کے
اب انہی بندھے پاؤں کے ساتھ
وہ ساری عمر اُسی جگہ پڑی رہے گی
جہاں کبھی اس کے ناز اٹھائے جاتے تھے

اصل جرم



"اپنے خواب" دیکھنا جرم نہیں
کسی کے خواب اجاڑ دینا جرم ہے
اور دنیا بھر میں ایسے مجرم
بن سزا پائے دندناتے پھرتے ہیں

کل ہی کی بات نہیں ہوتی!



آج دہلیز پر جو خواب ٹوٹا ہے
وہ صرف کل ہی تو نہیں دیکھا گیا تھا
وہ تو نجانے کب سے نانیوں دادیوں نے
الہڑ آنکھوں میں جگا رکھا تھا
ابھی جو تصویر اچانک دھڑام سے گر گئی ہے
یہ وہاں کل ہی تو نہیں؟ ٹانگی گئی تھی
یہ تو اس آئینے میں سالوں سے تھی
جو کنواری لڑکیاں تکیوں کے نیچے اس امید پر رکھ کر سوتی ہیں کہ
ان کے ہونے والے دلھا کی شبیہ اس میں ابھرے گی
(یہ جو تصویر گر کر ٹوٹ گئی ہے یہ صدیوں کی شبیہ کو بھی توڑ گئی ہے)
یہ جو دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر ایک بادل کا رنگ سیاہ پڑ گیا ہے
یہ بادل صرف کل ہی تو نہیں آسمان پر آیا تھا
یہ تو کالج کے نیلے آسمان پر نجانے کتنے سالوں سے رکا ہوا تھا
یہ جو میرے دروازے کے سامنے کھڑی سڑک یکا یک کہیں اور مڑ گئی ہے
یہ سانحہ صرف کل ہی تو نہیں ہوا
اس سڑک نے تو نجانے کب سے راستہ بدلنے اور
غائب ہونے کی ٹھان رکھی تھی
یہ جو محبت اور اعتماد کی تحریر دیکھتے ہی دیکھتے کاغذ سے غائب ہو گئی ہے

وہ صرف کل کی ایک لڑائی کی وجہ سے تو نہیں یہ تو نجانے کب سے
محبت کی لوک داستانیں لکھنے والے صدیوں سے غیر حقیقی محبتیں
صفحات پر اتار کرنا جائز امیدوں کے پُل باندھنے کی وجہ سے بنا چکے ہیں
خواب، تصویر، تحریر، بادل، سڑک اور محبت
ان کے ٹوٹنے اور بدلنے کی بات
کل ہی کی بات نہیں ہوتی
یہ سازشیں نہ نجانے کب سے
اور کہاں کہاں تیار ہو رہی ہوتی ہیں
نجانے کہاں کہاں !!

وجود کبھی بکھرتا نہیں

دن اور رات کا فاصلہ راستے میں پڑتا ہے
پھر بھی فاصلوں کا احساس نہیں
ایک وقت یوں بھی آتا ہے
کہ میں سورج اور وہ چاند دیکھتا ہے
پھر بھی یہ گمان ہے کہ میں چاند اور
وہ سورج دیکھ رہا ہے
میں سمجھوتوں کی دیوار میں ہوں
اور وہ اس سے باہر ہے
مگر پھر بھی لگتا ہے ہم ایک
ہی دیوار میں چُن دیے گئے ہیں
ایک ہی گھیرے میں جکڑ دیے گئے ہیں

پھول والا بچہ

ایک آواز میرے قریب آ کر کانپی : پھول لے لو باجی۔۔۔۔
میں نے حقارت سے گندے بچے
کے ہاتھ میں پکڑے گلابوں کو گھورا
اپنے چمکتے ہوئے کپڑے بچائے
اور آگے بڑھ گئی
میرا ننھا ہادی میری گود میں تھا
اور وہ نیلی آنکھوں والا بچہ چوک میں تھا
اچانک جو میں نے پلٹ کر دیکھا
تو نجانے کیسے ہادی چوک میں تھا
اور وہ بچہ میری گود میں تھا
میں نے تڑپ کر چوک کی طرف بھاگنا چاہا
ہادی کو چوک کی قسمت سے بچانا چاہا
اُس بچے کو گود سے اتارنا چاہا
مگر پلٹتے ہی میں پتھر کی ہو چکی تھی
اس بچے کی آواز اب میرے کان میں کانپی
باجی ! کیا کچھ پل کے لئے ہادی کے نام وہ چوک
اور میرے نام اپنی گود کر سکتی ہو؟
صرف کچھ پل کے لیے۔۔

سوچ لیا!!

ہیلو!!
میں عالمِ برزخ میں ہوں
گویا مر گئے ہو؟
ہاں لیکن پورا نہیں۔ ابھی آدھا ہی مرا ہوں
اچھا !! میں تو پوری مر چکی ہوں
عالمِ برزخ میں تو شاید مجھے ہونا چاہیے تھا
کیا وہاں جانے کے لئے پورا مرنا ضروری نہیں
نہیں !! کچھ لوگوں کا آدھا مرنا کچھ لوگوں کے پورا مرنے کے برابر ہوتا ہے
ہوں!!!
تو کیا میں تمھارا انتظار کروں؟
میں اُدھر ہی ہوں شاید۔۔ شاید نہیں
یقینی طور پر اُدھر ہی ہوں
کیونکہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو پورے نہیں مرتے
مگر پورے مرے ہوؤں سے کسی طور کم بھی نہیں ہوتے
ہوں!! اچھا تمھارے آنے سے پہلے کیا منگوا رکھوں؟
مسکراہٹ؟ بے نیازی؟ سچائی؟
سستا سا کوئی غم یا مہنگی سی کوئی خوشی؟
ایسا کرو صرف "بچپن" آرڈر کر دو

صرف بچپن؟

ہاں اس کے پیکج میں یہ سب شامل ہوگا

بچپن میں گالوں پر پھیلے مٹی ملے آنسو بھی تو ہونگے؟

ہاں!! مگر بچپن کے گلابی پن میں، بے فکری کے قہقہوں میں

یہ سب چُھپ جاتا ہے

پھر آگے کیا ارادے ہیں؟ برزخ سے کدھر کو جاؤ گی؟

جہنم یا جنت؟

کہیں بھی نہیں بس ادھر ہی رہوں گی۔

اسی کشمکش میں؟

ہاں کوئی بھی ایک راستہ منتخب کرنے سے پہلے والی صورتحال میں ہی رہوں گی

وجہ؟

ایک تو بوریت نہیں ہوگی۔۔اور دوسرے۔۔۔

اور دوسرے؟

کسی ایک راستے کو چُن کر اس کے انجام کی تکلیف سے بچی رہوں گی۔

سوچ لیا؟

ہاں ! بس سوچ لیا !!

تمام عمر عالمِ برزخ میں ہی رہوں گی۔

بس۔۔۔ایسے ہی رہوں گی

ترا شکریہ

میری آنکھوں کی چمک چھین لی۔
میرے پروں سے رنگ نوچ لئے
میرے خوابوں کو سرِ عام نیلام کیا
میرے سچ کو قتل کیا
میری "میں" کو کبھی بلا وجہ پھلا دیا
کبھی یونہی مار دیا
میرے نرم و نازک وجود کو پتھرا دیا
میرے اندر جلتی آگ کو بجھا دیا
میری روح کو مجھ ہی میں دفنا دیا
میری آگہی کو مجھ ہی سے چھپا لیا
مگر جینے کا ڈھنگ خوب سکھا دیا۔۔اے زمانے۔۔اے دوست۔۔شکریہ!

نہلے پر دہلا

خود سے محبت میں مبتلا ہونے کی سزا
کبھی کبھار یوں بھی ملتی ہے
کہ زندگی کی راہگذر پر
محبت کے نام پر جو بھی چہرہ ملتا ہے
خود پرستی کا شکار ہی ملتا ہے

ماں باپ جب چلے جاتے ہیں



ساتھ اپنے وہ گود بھی لے جاتے ہیں جس میں بیٹھ کر پہلا حرف سیکھا تھا
وہ انگلی بھی لے جاتے ہیں جس کو تھام کر پہلا قدم اٹھایا تھا
وہ باہیں بھی لے جاتے ہیں جن کے حصار میں آ کر ڈر نہیں لگتا تھا
وہ آنکھیں بھی لے جاتے ہیں جن کی نرمی سے دنیا حسین لگتی تھی
وہ دل بھی لے جاتے ہیں جس میں ہم ہی ہم رہتے تھے
وہ دماغ بھی لے جاتے ہیں جس میں ہماری فکریں پلتی تھیں
ہماری شوخیاں ، ہمارے قہقہے اور ہماری بے فکریاں سب ساتھ لے جاتے ہیں
اور جاتے جاتے اپنے راز، اپنے انداز، اپنے خواب
سب ہمیں پکڑا جاتے ہیں
اپنی نفرتیں ، اپنی محبتیں ، اپنی خواہشیں سب ہماری میراث کر جاتے ہیں
اپنی جھریاں ، اپنی فکریں، اپنی بوڑھی آنکھیں سب ہمیں دے جاتے ہیں
اور ایک دن ۔۔۔۔۔ایک منحوس دن۔۔۔۔۔
ان کی قبروں کا کتبہ پھیل کر ہمارا سارا بچپن نگل جاتا ہے
اور ہم ساری عمر ان قبروں پر اگنے والے درختوں کے نیچے
چھاؤں ڈھونڈتے رہتے ہیں
ہم بچپن کے صحن میں لاوارث سے کھڑے رہتے ہیں
جب ماں باپ یہاں سے چلے جاتے ہیں

Editing

ہم لکھ لکھ کر کاٹ دیتے ہیں
اور کاٹ کاٹ کر لکھتے جاتے ہیں
ہم لکھتے کم کاٹتے زیادہ ہیں
پڑھنے والے کو کیا اچھا ، کیا برا لگے گا
اس کے دماغ کی کھڑکی کیسے کھلے گی
اس کی آنکھ میں خواب کیسے جگائیں گے
ہم اس ایک لاڈلے کو خوش کرنے کے لیے
اپنے ہی لفظوں کے پیچھے قصاب کی لمبی چھری لئے
بھاگتے رہتے ہیں
لفظ ہم سے زندگی مانگتے ہیں
ہم انہیں موت دیتے ہیں
وہ ہم سے وفا مانگتے ہیں
ہم انہیں بے وفائی دیتے ہیں
وہ دنیا میں ننگ دھڑنگ آنا چاہتے ہیں
ہم انہیں زبردستی کپڑے پہناتے جاتے ہیں
ہم انہیں بس کاٹتے جاتے ہیں

بچوایسے لوگوں سے!!

جو صدیوں کی نا تمام خواہشوں کے اس قبرستان کے مالک ہوتے ہیں
جہاں کی قبروں کے پاؤں میں کبھی نہ پوری ہونے والی پیاس کے دیے جلتے رہتے ہیں
اور جہاں کی قبروں کے کتبوں پر بے جسم نام کھدے رہتے ہیں
جن کی روحیں ساتویں آسمان سے بھٹک کر بھی واپس آتی رہتی ہیں
جن کی ڈھونڈ کہیں ٹھہرتی نہیں بس بہتی رہتی ہے
جن کی چاہ کا بُت مجاور بنا آسن جمائے کھڑا ہی رہتا ہے
جن کو سمجھنے سے زمانہ قاصر رہتا ہے
ان سے بچو !! یہ ایسے قادر ہو جاتے ہیں
کہ کہیں دور سے بیٹھے بستروں میں بچھوا گا دیں
آنکھوں کی جوت بجھا دیں
خود کو جلا کر دوسروں کو بھی بھسم کر دیں
پتھر سے دودھ کی نہر نکال دیں اور
کچے گھڑے پر بے خطر تیر جائیں
ان سے بچو!!
یہ بڑے خطرناک لوگ ہوتے ہیں
کسی کو بھی برباد کرنے کے
ان کے پاس پورے سامان ہوتے ہیں

کہاں سے کہاں تک



وہ تتلی کی طرح بے سمت بے غرض اڑتی تھی
سر پر اعتماد سے نیلا آسمان اٹھائے پھرتی تھی
بڑے غرور سے پاؤں تلے گھاس کا بدن کچلتی تھی
یکا یک خود غرضی کی ایسی آندھی چلی
کہ اس کی دنیا میں سب سیاہ ہو گیا
سب اوجھل ہو گیا
اور اس کی رنگین آنکھوں میں
سفیدی اتر آئی

اب
اس کے دل کے اندر
صرف اور صرف
سہما سکڑا اور ٹھٹھرا بگلہ
ہمیشہ ایک ٹانگ پر کھڑا رہتا ہے

؟Delete



نام ،نمبر ، تصویر اور
اس کی محبت کی پہلی اور آخری نظم
زندگی کے ان جھوٹوں کو
مٹانے کے لئے ایک ?delete کا بٹن دبانے کی دیر تھی کہ
پاس بہتی جھیل کا پانی ایک جگہ پر ٹھہر گیا
شجر سے پرندے شور مچاتے اڑ گئے
اور ٹہنیوں سے تمام ہرے پتے نیچے گر گئے
ماتم کے اس سماں میں دل کی موت واقع ہوگئی اور
سڑاند چاروں طرف پھیل گئی
یہ جھوٹے لفظوں کی موت کی سڑاند ہی نہیں
بلکہ مردہ دل کے تعفن کی بھی ہے
اسی لئے تو اتنی شدید ہے۔

الوداع



مجھے ہجرت کا غم اسی روز بھول گیا
جب وطن کی مٹی سے اٹھنے والی
بے حسی اور منافقت نے
میرے تن من کو جلا کے راکھ کر دیا

برفیلا مسز سا گا

جب برفیلی ہوائیں بالوں کو چھوتی ہیں
ہاتھوں کو سرد کر دیتی ہیں
آنکھ سے گرنے والے آنسوؤں کو منجمد کر دیتی ہیں
اور دلوں پر برف جما دیتی ہیں
ایسے میں سوچتی ہوں کہ میں امیر شہر بن جاؤں
سب حدت بھرے دلوں کو یہاں سے نکال باہر کروں
سورج کو بھی یہاں اُگنے کی اجازت نہ دوں
اور اگر کوئی چمکتا چاند اپنی روشن آنکھوں کے ساتھ
دل میں حرارت بھرے
محبتیں سمیٹنے
محبتیں بانٹنے
کرب گھلانے خوشبو پھیلانے
اور برف پگھلانے
آنا چاہے تو اسے آنے نہ دوں۔۔۔
شہر کا بڑا دروازہ بند کروا دوں

دیوی

پتھر کی ایک عام سی مورتی جب دیوی بنتی ہے
تو اس کی آرتی اترتی ہے
اس کے ننگے پاؤں میں پجاری پھول رکھتے ہیں
کوئی اس کی رحمت کا طالب ہے تو، کوئی اس کے اشراپ سے خوفزدہ
دیوی سے پوچھے بغیر ، اس کے کہے بغیر
اس کی پوجا پاٹ ہوتی ہے
وہ روکنا چاہتی ہے مگر کوئی رکتا نہیں
وہ کچھ کہنا چاہتی ہے مگر کوئی سنتا نہیں
اور جب بھی مندر کی گھنٹی بولتی ہے وہ چپ چاپ سوچتی ہے
اب کے پوجنے والا فرصت سے آئے گا
اپنی طلب سے آگے مجھ سے بھی پوچھے گا
تو کون ہے، کیسی ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟
اس پتھر کے مندر میں دن کیسے کاٹتی ہے؟
تو زندہ بھی ہے یا۔۔۔؟ تو سنتی بھی ہے یا۔۔۔۔؟
مگر پجاری اپنی طلب کا ناریل پھوڑتا ہے
اور چلا جاتا ہے
اور اس مورتی کی قسمت تو دیکھو
جو لوگوں کی قسمت تو لکھتی ہے
مگر اپنی قسمت کا حال کسی کو سنا نہ سکی

سنا ہے کوئی لاہور جا رہا ہے



وہاں سے مجھے منگوانا ہے
اک رنگ جو میرے آنچل کا تھا
اک رنگ جو میرے بالوں کا تھا
اک رنگ جو میری آنکھوں کا تھا
اک نقش جو میرے پیروں کا تھا
اک عکس جو میرے خوابوں کا تھا
اک دل جو وہاں دفن تھا
اک نام جو درخت پر کھدا تھا
اک میری سانس جو ہوا میں شامل تھی
اک میری خوشبو جو سانسوں میں شامل تھی
اسے کہنا وہ سب لے آئے
اسے پوچھو کیا وہ یہ سب لا دے گا؟
کیا وہ اتنا بھاری بوجھ اٹھا لے گا؟

پہیلی



آنسوؤں کے موتی رول لوں تو کیا لکھتی ہوں؟
یا لفظوں کے موتی لکھ لوں تو کیوں روتی ہوں؟

بچاؤ

انسانوں کے جنگل بیچ
میں اور میری "میں"
پاس لٹکتے ناگ
دور گدھ رہے تھے تاک
پر میں اکڑ کے کھڑی رہی
خوف کو چہرے سے پرے رکھے
جو میں نہ ہوتی "میں"
دشمنوں کی ہوتی جیت
بچتی نہ میری زیست
انسانوں کے اس جنگل کے بیچ

سائنس کے کرشمے

مجھے سچ بولنے کا پیدائشی مرض لاحق تھا
ڈاکٹر نے علاج کے طور پر
تاحیات جھوٹ کی اینٹی بائیوٹکس لکھ دیں
(زندہ رہنے کے لئے)

سچائی کی تلاش

کبھی ٹوٹتے ہوئے تارے سے آسمان مانگ کے دیکھو
کبھی ڈوبتے ہوئے شخص سے کنارہ مانگ کے دیکھو
کبھی روتے چہرے سے مسکراہٹ کا چاند مانگ کے دیکھو
کبھی رات کی سیاہی سے روشنی مانگ کے دیکھو
کبھی کسی بھوکے سے گندم کا ایک خوشہ مانگ کے دیکھو
کبھی کسی پیاسے سے دریا مانگ کے دیکھو
کبھی کسی ملا سے شراب مانگ کے دیکھو
کبھی کسی شرابی سے واعظ مانگ کے دیکھو
کبھی کسی بوڑھی نائکہ سے شباب مانگ کے دیکھو
کبھی کسی طوائف سے حجاب مانگ کے دیکھو
اور اگر ان میں سے ایک بھی چیز مل جائے
تو سمجھو جس سچائی کی کھوج میں
گوتم جنگلوں میں نکل گیا تھا
وہ سچائی تمھیں یہیں مل گئی ہے

سارہ بڑی ہوگئی ہے؟



ابھی ابھی تو وہ میری گود میں بیٹھی ہوئی تھی
میرے کندھے پر سر ٹکائے سو رہی تھی
میں نے پیار سے اس کے گالوں کو پہلے چوما، پھر کاٹا تھا
وہ غصے سے تڑپ کر میری گود سے اتر گئی تھی
خالہ تم گندی ہو۔۔۔۔۔۔۔۔ مجھے کاٹتی ہو
میں ہنس پڑی تھی
وہ ابھی ابھی تو میرے ساتھ بارش میں نہا رہی تھی
میں اسے بارش سے بچانے کے لئے اپنی قمیض میں چھپا رہی تھی
مجھے بھیگنے دو "میری بلی خالہ۔۔۔"
وہ ابھی ابھی تو میرے دفتر میں میرے ساتھ بیٹھی کاغذ پر مہریں لگا رہی تھی
دفتر کے ساتھی اسے پوچھتے تھے سارہ کا دل گھر میں نہیں لگتا؟
میرا دل خالہ ہے ، وہ معصوم آواز میں کہتی تھی
سب ساتھی ہنس پڑتے تھے اور وہ شرما جاتی تھی
ابھی ابھی تو وہ میرے ساتھ ننھی دلھن بنی بیٹھی تھی
میں گھبرا کر ادھر ادھر دیکھتی تھی اور وہ پلکیں جھپکے بغیر بیٹھی تھی
اور جب میں میکے سے رخصت ہو رہی تھی
وہ میرے پیچھے روتی بھاگتی آئی تھی
خالہ تم گندی ہو۔۔۔ مجھے چھوڑے جاتی ہو!

وہ ابھی ابھی تو میرے ڈریسنگ ٹیبل پر پڑی نئی نئی لپ سٹکس توڑ رہی تھی
میں نے ابھی صرف اسے دیکھا ہی تھا کہ پہلے ہی مجھ پر چلائی :
"خبردار جو مجھے ڈانٹا۔۔۔خالہ تم گندی ہو۔"
ابھی ابھی تو میں اس کے لئے رنگ برنگے فراک خرید رہی تھی
ابھی ابھی تو میں نے اس کو گڑیا لے کے دی تھی
ابھی ابھی تو میں نے اسے پلے لینڈ میں بطخ پر بٹھایا تھا
وہ میرے بغیر کیسے بڑی ہو گئی؟
اس کو چائے بنانا، کھانا پکانا کس نے سکھا دیا؟
اس کے بچپن کو مجھ سے پوچھے بغیر کس نے جانے دیا؟
اتنی جلدی کیسے وہ دنیا کو سمجھے گی؟
سادگی کو چھوڑ کے اداکاری کا ہنر کیسے سیکھے گی؟
دنیا کو خوش کرنے اور اس کا مقابلہ کرنے کے لیے
کیسے جھوٹ بولے گی؟
کیسے غلط بات پر مصلحت کا گھونٹ بھرے گی؟
کیسے وہ ننھی دلھن بھرپور دلھن بنے گی؟
کیسے وہ اپنے ہاتھوں کی مہندی کو پینا سیکھے گی؟
اپنے ہاتھوں کے بل کیسے چل پائے گی؟
میری سارہ ابھی ابھی تو فراک پہنے میرے ساتھ چہک رہی تھی
لوگوں کی پہنائی لوہے کی قمیص میں کیسے سانس لے گی؟
میری سارہ کیسے بڑی ہو گئی؟

کچھ کیوں نہیں بدلتا؟؟

دیوار کے دوسری طرف سے پلیٹ سے چمچہ ٹکرانے کی آواز
اسی طرح آتی رہی
کواڑ اسی طرح چیختے چلاتے بند ہوتے رہے
بجھنے سے پہلے بلب کی روشنی کی صدا بھی ویسی ہی رہی
خراٹوں کی شکل میں نیند کی آواز بھی وہی رہی
سب ویسے کا ویسے ہی رہا
کچھ نہیں بدلتا
کچھ کیوں نہیں بدلتا
دو مکینوں میں سے ایک دیوار کے اُس طرف
بارہ قدموں کی طویل مسافت طے کر کے آجائے
اور دوسرا اُدھر ہی پڑا رہ جائے
پھر بھی کچھ نہیں بدلتا
کچھ کیوں نہیں بدلتا؟

بقا

کیا بہت زیادہ جینے کی خواہش
بہت سوں کو مار دینے کے بعد بھی
زندہ رہتی ہے۔۔؟

اجنبی



وہ دور کالے آسمان پر میرے لئے
روشن ستارہ بن کر چمکتا رہا
اپنے ننگے ہاتھوں سے
میرے بالوں پر ٹھہری برف ہٹاتا رہا
میرے لئے اوروں سے لڑتا رہا
گمشدہ راستوں پر میری راہ بناتا رہا
سارے زمانوں میں
میرا ہاتھ تھامے میرے ساتھ چلتا رہا
میرے لئے اپنے شب و روز گنواتا رہا
میری آنکھوں میں اپنی روشنی سے چراغ جلاتا رہا
بیل کی صورت میرے آنگن میں پھیلا
مجھے ہی چھاؤں دیتا رہا
وہ دنیا کی نظروں سے اوجھل رہا
وہ سب سے اپنا تھا
مگر پھر بھی اجنبی ہی رہا

Transformation

ہوا میں بکھری خوشبو
روشنی کے گرد ناچتا پتنگا
کتاب میں سمٹی تتلی
جھیل میں تیرتا مردہ پر
سورج کو ڈھانپتا بادل
بارش میں چمکتا آنسو
لفظوں میں بکھری تصویر
مٹی میں دفن کہانی
قبر پر اُگا زرد پھول
یہ سب کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟
کہیں یہ وہ تو نہیں؟
جن کا دم تاریک راہوں میں گھٹتا تھا
جن کا بدن پھولوں کا بستر مانگتا تھا
جن کے پاؤں تتلیوں کے آنگن میں تھرکتے تھے
جو دھاگے کے بندھنوں سے گھبراتے تھے
اس سیارے پر چمگادڑ کی طرح الٹے لٹکے
اپنے حصے کی سانس مانگتے تھے
یہ وہی ہیں سب محبت کے مارے بدن

تھک ہار کر محبت کو چوم کر محبت ہی کی کہانی
کے ساتھ خود کو دفنا دیتے ہیں
اور پھر وہی ہر جگہ ہوتے ہیں ۔۔ ایسی ہی مختلف حالتوں میں ۔۔
سب مختلف شکلوں میں ۔۔

وہ کون تھا؟

دروازے پر دستک کے ساتھ
مانگنے کی صدا آئی
پھر گھر کے اندر سے ایک آواز آئی : کون ہو سکتا ہے؟
دوسری آواز بولی:: شائد کوئی فقیر ہے
یہ سنتے ہی؛ چھما چھم قدم، رقص کرتے دروازے کی طرف بڑھے
بہت عرصے سے سلجھے سمٹے بالوں کی لٹ ماتھے پر آگری
آنکھوں میں دیۓ جل اٹھے
گردن پر کھیلتے تین دائرے یکا یک چار ہو گئے
دروازہ کھلا ۔۔۔ اور آٹے سے جھولی بھرنے کی آواز چار سُو پھیل گئی
فقیر ضرورت پوری کر کے چلا گیا
آنکھوں کے دیے پھر سے بجھ گئے
گردن کے دائرے سمٹ کر پھر سے تین ہو گئے
بالوں کی لٹ پھر سے سلجھ گئی
پاؤں اپنی اصلی مردہ حالت کو واپس لوٹ گئے
اور !! جسے سب فقیر کہہ رہے تھے
وہ بہت دور جا چکا تھا

وجود بولتا ہے

اس نے مجھ سے سوال کیا ،تم کون ہو؟
میرا پورا بدن لرز گیا
میں وہی تو ہوں
جسے تم برسوں سے جانتے ہو
یہ کیسا سوال کیا تم نے؟
نہیں! تم وہ نہیں ہو جسے میں برسوں سے جانتا ہوں
سچ سچ بتاؤ تم کون ہو؟
تمھاری ہنسی میں ایسی کاٹ تو نہ تھی
آنکھ تمھاری ایسی سپاٹ تو نہ تھی؟
تمھارا دل روشن تھا یہ تاریکی کہاں کی ہے؟
رسیلے ہونٹ تھے تمھارے یہ زہر کہاں کا؟
ہاتھ کا لمس نرم تھا، یہ کھردرا پن کیسا؟
مٹھاس میں گندھا لہجہ تھا ، یہ تلخی کیسی؟
تم کون ہو؟ تم وہ نہیں ہو۔۔۔
تم کہاں گئی ہو؟
اتنے سچے اور تیکھے سوالات؟ تمھاری یہ جرات؟
میں نے سوال پوچھتے آئینے کو توڑ دیا
غصہ ابھی بھی اترا نہیں

رات کی موت

رات کا ایک کنارہ میرے اور
دوسرا اس کے ہاتھ میں ہوتا تھا
ہم دونوں اپنے اپنے حصے کی رات جلاتے تھے
اور ایک دن بالآخر
وہ رات جل جل کر راکھ ہو گئی
پھر مکتی کے لیے
اسے درمیان میں پڑنے والے
سات سمندر میں غرق کر دیا گیا
مگر پھر بھی اس کی مکتی نہیں ہوئی کیونکہ
اس کا ڈھانچہ آج بھی، بھوت بنا ہمیں ڈراتا ہے
(کبھی کبھی جلا دینے سے ، گنگا میں بہا دینے سے بھی مکتی نہیں ہوتی)

Hypertension

خلوص و محبت کے دعوے داروں کی متلون مزاجی نے
میرے خون کے فشار کو
اور میرے دماغ کے انتشار کو
کبھی سکون نہیں آنے دیا

خزاں ابھی باقی ہے میرے دوست

درخت پر ابھی بھی پتوں کی موت کے نشان باقی تھے
زندگی اور فطرت پر بے اعتباری تھی
پت جھڑ کا نفسیاتی خوف ابھی جڑوں سے نکلا نہیں تھا
پتے سبز بھی ہوتے تو نارنجی ، زرد ، سرخ اور سنہرے
کرب میں مبتلا رہتے تھے
ابھی بھی آسمان پر سورج کہاں پورا نکلنا شروع ہوا تھا؟
زندگی کے بدن پر موت کے ہونٹوں کے نشان
ابھی مٹے نہیں تھے ، شاید مٹ جاتے مگر۔۔
اسی وقت قریبی درخت سے جو بہت اعتباری تھا
اعلان ہوا!!
خزاں کی آمد آمد ہے۔۔۔
موت کے وہم میں مبتلا درخت نے کانپ کر کہا؛
ہم تو اپنی خزاں بھگتا چکے ہیں
اعلان کرنے والے درخت نے کہا:
نہیں دوست !! تمھارے حصے کی خزاں ابھی بھی باقی ہے
یعنی کے خزاں ابھی باقی ہے میرے دوست

نامکمل تخلیقات

دل میں اتری ہوئی وہ باتیں
جو آنسوؤں میں ڈھل کر موتیوں کی صورت
آنکھوں میں بسیرا تو کر گئیں
مگر ہونٹوں نے انہیں کبھی ادا نہ کیا
وہ نغمے جو کاغذوں پر بکھیر تو دیے گئے
مگر انہیں کسی دھن میں سمویا نہ گیا
وہ غزل جسے شروع تو کر دیا گیا
مگر شاعر سے جس کا مقطع کبھی کہا نہ گیا
وہ بچہ جو ماں کے رحم میں ٹھہر تو گیا
مگر کبھی مکمل نہ ہوا اور aborted child کہلایا
پاؤں کے بغیر غزل، سر کٹی کہانی اور ادھوری نظم
غیر مطبوعہ کتاب، آدھا گیت اور نامکمل بچہ
تکمیل کی طرف جاتی یہ سب تخلیقات
قافلے سے بچھڑ کر پہلے گمشدہ ہوتی ہیں
اور پھر مر جاتی ہیں
تو کیا یہ سب طاقت کے بغیر؟
قیمت کے بغیر؟ بس یونہی بلا مقصد؟
منہ اٹھائے دنیا میں آنے کی کوشش کرتی ہیں؟

Surprise Gift



سرخ جلد کی ڈائری جس کے ماتھے پر سنہری جھومر سجا تھا
صفحے زرد اور اس پر بکھرے چند سیاہ الفاظ
میں نے دسمبر کی پندرہ تاریخ کو
اووروں کے لئے نیو ائیر کے تحفے لیتے ہوئے
اپنے لئے خرید لی تھی
2016 کی آخری رات خفیہ طریقے سے اُسے اپنے تکئے نیچے چھپا دیا
اور 2017 کی صبح میرے تکئے تلے ایک سرپرائز گفٹ تھا
خوشی اس بات کی تھی کہ دینے والے کو میری پسند اور ضرورت کی کمال خبر تھی
سرخ رنگ کی سنہری جھومر پہنے دلھن جیسی ڈائری
اس میں کھدے حروف بھی سیاہ نہ رہتے
بلکہ سنہری آگ میں ڈھل جاتے
اور صفحوں کی زردی بھی ٹل جاتی ۔۔۔
اگر یہ گفٹ ۔۔۔!!!

بحثِ لاحاصل

جنازے والی چارپائی رکھ دی گئی ہے
لوگوں میں دفنانے کی جگہ پر بحث شروع ہوچکی ہے
گورکن خاموش کھڑا ہے
ایک معزز ہستی بولی : آخر کب تک لاش کو یونہی رکھ چھوڑیں گے؟
سب سوچ رہے ہیں اور پورا دن گذر گیا ہے
رات امنڈنے لگی ہے
لاش سے بُو اڑنے لگی ہے اور
ہوا میں تعفن پھیل گیا ہے
درختوں پر جمی برسوں کی راکھ پگھلنے لگی ہے
ایک اور معزز ہستی بولی : جہاں ہم نے کہا ہے بس وہیں دفنا دو
بس!! ہوگیا فیصلہ۔۔۔۔۔۔۔۔
چہ مگوئیاں بڑھنے لگیں
تلخی نے سب کے گرد گھیرا اور تنگ کر دیا
آنکھیں شعلے برسانے لگیں
گورکن سہم کر ایک کونے میں مزید دُبک گیا
تیسری ہستی بولی : اس درخت کی چھاؤں اور پھل دونوں میٹھے ہیں
بس یہیں دفنا دو۔۔۔
ہوگیا فیصلہ !!۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مکھیاں پھر بھنبھنانے لگیں۔۔لاش کا جسم مکھیوں سے بھرنے لگا

پاس سے گذرتی ایک تتلی پل بھر کے لئے رکی اور
لاش کے چہرے سے آخری خواب بھی اڑا لے گئی
تتلی کے رنگوں میں ایک رنگ کا اضافہ ہوگیا
اور مکھیوں کی بھنبھناہٹ میں ایک بھنبھناہٹ کا
مگر فیصلہ ابھی بھی ہوا میں معلق ہے
گورکن خاموش ہے مگر وہ پوچھنا چاہتا ہے
کیا لاش کو بھی اس سے غرض ہے کہ اسے کہاں دفنایا جائے؟
جب یہ طے ہوگیا ہے کہ زمین سے باہر اس نے سانس نہیں لینا
جینا نہیں، مرنا ہے، تو بس دفنا دیا جائے
یہاں یا وہاں۔ کیا فرق پڑتا ہے؟
اہم بات تو طے ہوگئی ہے ، غیر اہم پر جھگڑا کیوں؟
مگر گورکن خاموش ہے لاش کی طرح
معززین میں مردے کی تدفین کے متعلق
مشورے جاری ہیں

ہارے لشکر کا سپاہی



کئی مرتبہ ہار کر بھی
اس خوف سے ہار کو تسلیم نہیں کرتا
کہ جیتنے والا غرور سے خدا نہ ہوجائے

عجائب گھر

آؤ اک نئے سیارے پر جائیں
وہاں اک انوکھا گھر بسائیں
جہاں کی دیواریں ہر پابندی کو کھا جائیں
اور ہم دروازوں پر پیار کے انوکھے پردے لٹکائیں
جہاں ایک مور کا پر ہو
ایک گلاب کی پتی ہو
جہاں کے ستونوں اور فانوسوں پر
تمھاری معصوم اور گہری آنکھیں ہوں
جہاں روزانہ تھالیوں میں ہزاروں بوسے پروسے جائیں
اور جب کوئی اس گھر کی چھت سے آسمان کو دیکھے
تو دو ہی تارے نظر آئیں
ایک میرے نام کا اور ایک تیرے نام کا
وہاں میرے خواب کی نیلی جھیل ہو
اور تمھارے خیال کی لمبی واک ہو
جہاں صرف میں ہوں
اور بس تم ہی تم ہو۔۔۔۔

اب گلہ کیسا؟

تمھاری ذات میں اپنا آپ ڈھونڈتے ڈھونڈتے
تھک گئی
مگر پھر بھی
مایوس ہونے سے ایک دن پہلے
میں تیرے پاس آئی تو تھی
تیری لاتعلقی کی دیوار نہ ٹوٹنے پر
ناکام ہونے سے پہلے
میں تیرے پاس آئی تو تھی
تیرے حضور کیے گئے سجدے میں سے
"لاشریک" کا لفظ ختم کرنے سے ایک دن پہلے
میں تیرے پاس آئی تو تھی
تیرے سامنے بہے نامراد آنسوؤں کو
آواز بخشنے سے ایک دن پہلے
میں تیرے پاس آئی تو تھی
سب کچھ کھو دینے سے ایک دن پہلے
میں تیرے پاس آئی تو تھی
اپنی کہانیوں کی کتاب سے نکل کر
دنیا جیسی ہونے سے ایک دن پہلے

میں تیرے پاس آئی تو تھی
میں فرار کی راہوں پر گم ہونے سے
ایک دن پہلے تیرے پاس آئی تو تھی
کیا تجھے یاد نہیں؟
کیا تجھے خبر نہیں؟
تجھے کھو دینے سے پہلے اور اپنی موت سے ایک دن پہلے
میں تیرے پاس آئی تھی
میں تیرے پاس آئی تو تھی

ڈھٹائی

اسے شاید محبتوں کی گنتی بھی ٹھیک سے یاد نہ ہو جو
ہر نئی محبت ہو جانے کے بعد سینہ ٹھونک کر کہتا ہے:
" کہ اب محبت نہیں ہو گی"

حلال دیس

دنیا کے نقشے میں ایک دیس ہے ایسا
جہاں لوگ بس یونہی مرجاتے ہیں
بارش نہ ہو تو قحط سے مرجاتے ہیں
بارش ہو تو ڈوب کے مرجاتے ہیں
خوش ہوں تو ہوائی فائرنگ سے مرجاتے ہیں
مایوس ہوں تو گلے میں پھندہ ڈال کے مرجاتے ہیں
سردی آئے تو ٹھنڈ سے مرجاتے ہیں
گرمی آئے تو لو لگنے سے مرجاتے ہیں
محلوں والے سنگِ مرمر کی بے حسی سے مرجاتے ہیں
جھونپڑیوں والے ٹاٹوں کے کچے پن سے مرجاتے ہیں
غریب بھوک سے مرجاتے ہیں
اور امیر موٹاپے سے مرجاتے ہیں
آمریت کے دنوں میں گھٹن سے مرجاتے ہیں
جمہوریت آئے تو آزادی سے مرجاتے ہیں
دنیا کے نقشے پر سبز ہلالی پرچم والا ایک دیس
پاک صاف اور حلال دیس
جہاں جھوٹ، مکر اور فریب زندہ رہتے ہیں
اور انسان چٹکیوں میں مرجاتے ہیں

بے حسی یا بے بسی



ہجوم ایک غریب چور کو ڈنڈوں سے مارتا ہے
سب آنکھیں چرائے دیکھتے رہتے ہیں
پورے گاؤں کے سامنے ایک جوان لڑکی کو ننگا گھمایا جاتا ہے
سب آنکھیں کھولے دیکھتے رہتے ہیں
کسی کی آنکھ کی پُتلی اور کسی کے بازو کا ریشہ ہوا میں اڑتے دیکھتے ہیں
کسی کی عزت لٹنے کی خبر کے ساتھ چائے کی چسکی لیتے ہیں
مرغے کی ٹانگ چباتے ، کسی بچے کو اپنی ٹانگ اٹھائے دیکھتے ہیں
موت کا کھلا تماشہ کسی سرکس کے تماشے کی طرح دیکھتے ہیں
اور پھر بھی جیئے جاتے ہیں
سلے لب ، بکا ہوا ضمیر اور مردہ روح سمیٹے
بزدلی سے لحافوں میں دبکے بے حس پڑے چھت کو دیکھتے رہتے ہیں
کلمۂ حق کو دفنا کر ، خودی کے لاشے پر طبلے بجاتے ہیں
بے قصور اور معصوم لاشوں کو نظر انداز کرتے
دکھ کی کہانیوں پر کھلکھلا کر ہنستے
بے حسی کی ساری منزلیں طے کر کے ڈھیٹ بن جاتے ہیں
اور پھر بھی جیئے جاتے ہیں
مُردوں کے نقار خانے میں بس جیئے جاتے ہیں

سیلاب ۔۔ جولائی ۲۰۱۰



دادا کی لاٹھی
دادی کا حقہ
اماں کی روٹی
بھائی کی کھلونا گاڑی
چھوٹی کی گڑیا
سہیلی کے راز و نیاز
محبوب کا پیار
میرے چوزے کا پر
اور میرے ابا کی پگڑی
سب پانی میں بہ گئے
(سیلاب میں ہونے والا ایک نوجوان لڑکی کا نقصان)

دوری



تیری خامشی ہمارے درمیان کیا آئی
کہ گلی کے کتوں کی آوازوں نے
میرے کانوں تک راستہ بنالیا

تمھارا سوال

کیا تم میری ہو؟
تمھارا یہ سوال بار ہا ہواؤں سے ٹکرا کر مجھ تک پہنچتا ہے
سنو !! میں تمھاری کیسے ہو سکتی ہوں
میں تو روشنیوں میں اندھی ہو جاتی ہیں
اور اندھیروں میں پناہ ڈھونڈتی ہوں
میں تو پانی میں مچلتی ہوں
اور خشکی پر آ کر ڈوب جاتی ہوں
میں تو پہاڑ پر جا کر زمین بن جاتی ہوں
اور دیوار پر کائی کی صورت جم جاتی ہوں
میں تو پرندوں کے پروں میں غلامی باندھتی ہوں
اور غلاموں کے پیروں سے بیڑیاں چنتی ہوں
میں تو طوائفوں کے گھنگرو چرا لیتی ہوں
اور گھریلو عورتوں کے گلے میں گھنٹیاں باندھ دیتی ہوں
میں تو قرآن میں انسان اور انسان میں قرآن ڈھونڈتی ہوں
میں تو جاء نماز پر شراب کو سوچتی ہوں
اور مے خانے میں خدا کو کھوجتی ہوں
میں تمھاری کیسے ہو سکتی ہوں؟ میں کسی کی بھی کیسے ہو سکتی ہوں؟
(جب جینے کا ڈھنگ سیکھ لوں گی تو کسی کی ہو بھی جاؤں گی)

دو سہیلیاں



وہ دونوں تتلیوں کے پر کتابوں میں رکھتی تھیں
مٹی کے گھروندے بنا کر انہیں مضبوط سمجھتی تھیں
اپنے تصور کے زور پر ساری دنیا کی سیر کرتی تھیں
اپنے دلوں میں ایک دوسرے کے رازوں کا خزانہ چھپائے پھرتی تھیں
ان کے خوابوں کا کوئی شمار نہیں تھا
وہ راہوں پر اڑتی دھول کو پھول میں بدل دیتی تھیں
ہنستے ہنستے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتی تھیں
وہ آسمان کے نیلے رنگ کو سرخ اور نارنجی میں بدل دیتی تھیں
ندی کے میٹھے پانی پر اپنی اپنی تصویر بناتی تھیں
بادلوں میں اپنے محبوب کا چہرہ کھوجتی تھیں
اور پھر ایک دن یوں ہوا
ایک سہیلی چپکے سے مر گئی
اور دوسری کی بھی شادی ہو گئی

Impotent



اس کی مردانگی کے کیا کہنے
جو ایک عورت کے تلوے اس وقت تک بڑی لگن سے چاٹتا ہے
جب تک کوئی دوسری عورت اپنے تلوے اسے پیش نہ کر دے۔

مشرقی لڑکی

اُس کے بچپن میں ڈریسنگ ٹیبل پر دھری
ایک لپ اسٹک اور اُس سے جڑی خواہشیں
اس کے ہونٹوں کی سسکیوں کو تھپکانے سے پہلے ہی مطعون کردی گئیں
تو ننھی لڑکی نے خود سے چپکے سے کہا ایک دن آئے گا
جب میں جوانی کے رنگوں سے ہونٹوں کو رنگدار کرلوں گی
لپ اسٹک وہیں کی وہیں پڑی ہے اور جوانی آچکی ہے۔۔
مگر لڑکی کے ہاتھوں کی ہمت ابھی تک کسی نے لوٹائی نہیں ہے
ابھی بھی وہ اُسے صرف دیکھ سکتی ہے اٹھا کر لبوں پر سجا نہیں سکتی ہے
لپ اسٹک کی چمک اور لڑکی کے جذبوں کی آگ
جوانی میں کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہی ہے
شائد اسی وجہ سے پہرہ اور بھی کڑا ہو گیا ہے
بلکہ اب تو ڈریسنگ ٹیبل پر سفید کپڑا ڈال دیا گیا ہے
اور لڑکی کو سمجھا دیا گیا ہے کہ
ایک دن وہ بھی آئے گا جب یہ کپڑا تم اٹھاؤ گی
لپ اسٹک کو ہونٹوں پر بھی سجاؤں گی
مگر ماں باپ کے ہاں نہیں
یہاں سے ڈولی میں بیٹھ کر عزت سے جانا ہے
اور پیا کے گھر جا کے سب کرنا کرانا اور پانا ہے

وہ بند آنکھوں کے پیچھے بھی

خوابوں کو آنے سے روک دیتی ہے اس بھروسے کہ

ایک دن آئے گا جب وہ ان میں پیار کے رنگ بھرے گی

اور اس لپ اسٹک سے ہونٹوں کی سلگن بھی بجھائے گی

پھر وہ وقتِ رخصت بھی آ ہی گیا جس کا وعدہ تھا

چار کندھوں پر سوار وہ پیا دیس کو سدھاری

اب وہ مایوسی میں لپٹی ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑی ہو کے

ننگی لپ اسٹک کو گھور رہی ہے اور سوچ رہی ہے

اب ہونٹوں پر لپ اسٹک لگاؤں کیوں؟

بچپن کے ارمان نبھاؤں کیوں؟

ہر طرف پھیلی بدرنگی میں ہونٹوں کو رنگدار بناؤں کیوں؟

ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا اسفید کپڑا اٹھاؤں کیوں

جب آنکھوں کے سب خواب رنگ ہی اڑ گئے

تو ایسے میں ہونٹ رنگیلے بناؤں کیوں؟

لپ اسٹک کا یہ لال رنگ جو کل تک لبھاتا تھا مگر آج جی کو دہلاتا ہے۔۔۔

بلکہ اس پر پڑا اسفید کپڑا جی کو بہلاتا ہے

اور اسے یوں سفید رنگ کو اپنائیت سے تکتے دیکھ کر

کندھا دینے والے بھی یہی سوچ رہے ہیں کہ

کسے کندھا دیا تھا؟ وہ دلھن کی ڈولی تھی

یا خوابوں کا جنازہ تھا؟

گڈا گڈی کی کہانی

ایک تھی میری گڈی اور ایک تھا اس کا گڈا
گڈی کے ہاتھوں میں پھول اور سینے میں ارمان دہک رہے تھے
پاؤں میں رسم و رواج کی پازیب آواز پیدا کر رہی تھی
بازوؤں میں مذہب کی چوڑیاں دمک رہی تھیں
گڈا ، گڈی کا ہاتھ تھامے مشینی انداز سے چلے جا رہا تھا
اور ایک وہ گڈا جو میری گڈی کا نہیں تھا
آسمانوں سے پرے ، تاروں کے درمیان
پھولوں کی سیج سجائے پیار کے گیت بکھیر رہا تھا
اور میری گڈی کا صدیوں سے منتظر تھا
مگر گڈی زمینی گڈے کے ساتھ ساتھ گھوم رہی تھی
یہ کیسی حرکت تھی؟ جس میں وہ چل بھی رہی تھی اور منجمد بھی تھی
کیونکہ !! میری گڈی ، آسمانوں سے پرے ، تاروں کے درمیان
اپنا دھیان کھو بیٹھی تھی
نہ پیر آگے ہلتے تھے نہ دھیان واپس آتا تھا
اور وہ گول گول ایک ہی جگہ گھومے جا رہی تھی
گڈا اس کا ہاتھ تھامے آگے ہی آگے چلے جا رہا تھا اور !!
آسمانوں سے گیتوں کی آواز صور کی طرح کائنات کو ہلائے دے رہی تھی

Kiss and Ride



سرخ سوک، کالی مرسڈیز، نیلی ہنڈا اکارڈ
گولڈن اوڈیسی اور سفید بی ایم ڈبلیو۔۔
اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی گاڑیاں
دھیرے دھیرے مقررہ لائنیوں میں
آگے ہی آگے سرک رہی ہیں
وہاں سے بچوں کے کھیل کا میدان
،گاڑیوں میں بیٹھے والدین
کی نظروں کے سامنے ہے
بچے فٹ بال، باسکٹ بال کھیل رہے ہیں
ہنستے مسکراتے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہے ہیں
سرکتی گاڑیوں میں بیٹھے والدین
چُھٹی کی گھنٹی کا سکون سے انتظار کر رہے ہیں
اور بچوں کے ہنستے چہروں کو دیکھ کر خود بھی مسکرا رہے ہیں
سب کام کاج چھوڑ کر بچوں کے لئے
آگے ہی آگے سرکنے کا کام اس وقت کتنا اہم ہے
بلکہ اس وقت لگ رہا ہے کہ بس دنیا میں یہی ایک کام ہے
پھر ایک لیبارٹری کا منظر ہے
وہاں بوڑھے ماں باپ اندر مختلف جسمانی ٹیسٹ کروا رہے ہیں

باہران کے بچے ان کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں
کوئی انتظار سے گھبرا کر بار بار ریسپشنسٹ کے پاس جاتا ہے
اور کوئی بار بار گھڑی دیکھتا ہے
کیونکہ کسی کی اہم میٹنگ کا وقت نکلا جا رہا ہے
کسی کو باس کی ناراضی مارے دے رہی ہے
کسی کو کلائنٹ کے ہاتھ سے نکل جانے کا دھڑکا لگا ہوا ہے
سب کے چہروں پر اپنے اپنے وسوسے پیوست ہیں
اندر والدین بیڈ پر لیٹے لیٹے نرس کو منت بھری نظروں سے دیکھتے ہیں
کیا ٹسٹ جلدی نہیں ہو سکتا؟ میرے بیٹے کو جانا ہے
باہر ریسپشنسٹ کی طرح اندر نرس بھی خاموش ہے
پہلے منظر میں سکول کی گھنٹی بج چکی ہے
اور بچے تمتماتے ہوئے پر اعتماد چہروں کے ساتھ
kiss and ride پر سرکتی گاڑیوں میں کلانچیں بھرتے بیٹھ رہے ہیں
دوسرے منظر میں ای سی جی اور الٹرا ساؤنڈ بھی ہو چکے ہیں
مگر بوڑھے والدین شرمندہ وجود کے ساتھ لڑکھڑاتے ہوئے
بچوں سے نظریں ملائے بغیر کار پارکنگ کی طرف آ رہے ہیں
والدین کے لئے گاڑیاں kiss and ride پر نہیں رینگ سکتیں
بلکہ انہیں رینگتے رینگتے بھاگتے بچوں کے پیچھے کار پارکنگ تک خود پہنچنا ہوتا ہے۔

کیا محبت ایک موقع اور دیتی ہے؟

ہاں؟ تو!!
آؤ پھر سے رات کی سیاہی سے روشنی کو بنیں
آؤ پھر سے رات بھر تاروں کو آنکھوں میں پروئیں
آؤ پھر سے انہی تاروں کی چاندنی کو کات کر صبح بنائیں
آؤ پھر سے دھول میں اڑتے لفظوں سے نظم بنائیں
آؤ پھر سے رسموں کی قبر پر غیر رسمی بات کہہ جائیں
آؤ پھر سے اپنے اپنے بچپن کی کہانیاں سنائیں
اور دوسرے کی ان ساری کہانیوں کو اپنائیں
آؤ پھر سے زنجیروں سمیت بھاگ جائیں
آؤ پھر سے ایک دوسرے کو تھام لیں
آؤ پھر سے چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑیں
آؤ پھر سے اُس سے بھی چھوٹی بات پر کھلکھلا کر ہنس دیں
آؤ پھر سے پرانے خوابوں کو جگائیں
آؤ پھر سے تتلیوں سے رنگ ادھار لیں
اور ایک دوسرے کی آنکھوں کو رنگوں سے بھر دیں
آؤ پھر سے مسکراہٹوں کو ایک دوسرے کے ہونٹ چوم کر ان میں قید کر دیں
آؤ پھر سے حقیقت کی سخت زمین سے محبت کا نرم معجزہ اگائیں
بس ایک بار آؤ پھر سے

امروز اور امرتا پریتم

امروز نے تو بس امرتا کو ایک ہی جنم میں
ایک ہی زمانے میں ملنا تھا
اب تو
عشق نہیں حساب کتاب ہوتا ہے
سوداگروں کے اس بازار میں
سب مال بکاؤ ہے
سب امروز بکتے ہیں
اور سب امرتائیں خالی ہاتھ بیٹھی رہتی ہیں۔

فالتو اعضا

میں اس کی جھوٹ سے لتھڑی زندگی کا
ایک واحد سچ تھی
اسی لئے اس نے بغیر کسی دقت کے
بغیر کسی پچھتاوے کے
مجھے یوں کاٹ پھینکا
جیسے میں کبھی وہاں تھی ہی نہیں
جیسے میرے ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں

ماں تو سمجھتی کیوں نہیں ہے

اے ماں!! نو مہینے میں تیرے بدن کا حصہ بنا تجھے تھکا دیا کرتا تھا
جب تیرے بطن سے میں جنما تھا تو اک سفر درد کا تُو نے طے کیا تھا
اور قبر کا منہ بھی ذرا سا کھلا تھا۔۔۔۔۔۔
میرا پہلا نوالہ تو نے ہی مجھے کھلایا تھا
میری انگلی تھام کے مجھے پاؤں پاؤں چلنا تُو نے ہی سکھایا تھا
تُو ہی تو تھی جس نے راتوں کو اٹھ کے میرے ڈر کو بھگایا تھا
میرے ننھے ننھے ہاتھوں کو چوم کے تو نے زمانے میں جینا سکھایا تھا
مگر کیا اس کا مطلب یہ ہوا
کہ ان سب کے بدلے میں اپنا آپ تیرے پاس رہن رکھ دوں؟
میں بھی تو تیری ایک آواز پر بھاگا آتا تھا
تیرے آگے سر جھکائے کھڑا رہتا تھا
تیری رہنمائی ہی تو میری رہبر تھی
اور تیرے ان کہے دکھ میں بھی تو پڑھ لیتا تھا
تو ہنستی تو میں ہنستا تھا
اور تیری نم آنکھیں دیکھ کے رو دیتا تھا
مگر اب وقت بدل گیا ہے، تو بھی بدل جا!
مگر تُو تو اب کچھ سمجھتی ہی نہیں
بن مانگے دودھ پلانے والی کیسے اب کچھ نہیں سمجھتی؟

کہ نئے چاند کی روشنی میں تیرا سورج ڈوب گیا ہے
تیز آندھی میں تیرا سایہ لرز گیا ہے
تو کیوں میرے گلے کا کانٹا بن رہی ہے؟
تو کیوں میری خوشیوں کی دشمن بن رہی ہے؟
تیرے میرے ساتھ کے دن رات اب یہاں نہیں رہتے ہیں
تُو میرے پاس ہو تو ہو، میں اب تجھ سے کوسوں دور کھڑا ہوں
تو جس جگہ مجھے ڈھونڈ رہی ہے میں اب وہاں نہیں ہوں
تیری نصیحتیں، تیری باتیں میری مٹھی سے پھسل گئی ہیں
مگر اب میری بیوی بڑے ان کہے طریقے سے مجھے کہتی ہے
"میں اور تیری ماں ایک جگہ نہیں رہ سکتے"
میں بُرا بھی نہ بنوں، لب کشائی بھی نہ کروں
ماں!! تو سمجھتی کیوں نہیں تو چپکے سے کہیں چلی کیوں نہیں جاتی
تجھے میرے ان کہے لفظ اب سنائی کیوں نہیں دیتے؟

بد قسمت گھر



ماؤں کی محبتوں کے خالص پن پر
ان کے بچوں سے زیادہ کسی کا حق نہیں ہوتا
اس میں جب کھوٹ آجائے تو
مکان کی بنیادیں ہی نہیں
گھر کی چھتیں بھی لرزنے لگتی ہیں

نئے سال کی پیدائش پر

چلو آؤ نئے سال کو خوش آمدید کہیں
اس کے ماتھے پر کھلتی تازہ کونپل کو پیار کریں
نئے سال کی تازگی کو روح میں اتاریں
اس کی ننھی ننھی باہوں کو اپنے گرد لپیٹ لیں
نئے پن اور نئی محبت کا معجزہ محسوس کریں
مگر کیا ہم ایسا کر پائیں گے؟
وہ گئے سال میں بہتے خون کی کہانیاں
اجڑی مانگیں اور لاوارث کلیاں
گمشدہ جنتیں اور ٹوٹے خواب
کیا یہ سب آنے والے کے استقبال میں
کھڑی واضح رکاوٹیں نہیں ہیں؟
ہیں ضرور ہیں ۔۔۔۔۔ اور
نئے سال کی پیدائش پر اس کی پہلی رونے کی خوشی کی آواز
پچھلے سال کے ماتم کی آخری چیخ کے ساتھ ملنے کی امکانات بھی ہیں مگر
پھر بھی دل نے نئے سورج کے کان میں
امن اور محبت کی اذان دے دی ہے

محبت کیا ہے؟

ایک عملی ، ناپ تول کر کے لین دین کرتا انسان
محبت کی تلاش میں مفروضوں پر کہانیاں لکھتا
اور سوچ سوچ کے نظمیں کہتا ہے
رابطوں کی ڈور میں ہجر کا تجرباتی مانجھا لگاتا ہے
پھرانہی تجربات سے نظریہ محبت سجاتا ہے
پھراس محبت کونظریات کی کتاب میں کھوجتا ہے
اے سمجھدار انسان ، فلسفی ، دانشور ، شاعر!!
سائنسدان ، معشیت دان اور کہانی کار!!
سیاست دان اور سرکاری عہدے دار!!
محبت فلسفہ نہیں، نہ سچ کا وہ پیالہ ہے جسے سقراط پی جائے
محبت کوئی تجربہ بھی نہیں جو سائنسدان آئیں اور کر جائیں
محبت نیوٹن کا third law of motion بھی نہیں
جس میں عمل اور ردِعمل کو برابر کر دیا جائے
محبت معاشیات کا وہ law of diminshing utility بھی نہیں
جس میں ڈیمانڈ بڑھے تو مصنوعی قلت پیدا کرنے کو سپلائی روک دی جائے
محبت اسلامیات کی کتاب کا کوئی سنہری ورق بھی نہیں
جس کے فرمانوں پر عمل نہ کیا جائے تو کالا ہو جائے
محبت ڈاکٹر کا لکھا کوئی نسخہ بھی نہیں

جسے کوئی صبح، دوپہر اور شام دو دو چمچ پی جائے
محبت کسی سرکاری افسر کی میز پر پڑی کوئی فائل بھی نہیں
جس پر دستخط ہو جائیں تو بند دروازے کھل جائیں
محبت کسی سیاست دان کا عوامی نعرہ بھی نہیں
جو مقبول ہو تو کامیاب بھی ہو جائے
محبت کسی طوائف کا گھنگرو نہیں
جو بوڑھی ہو جائے تو اس کے پاؤں سے نوچ لیا جائے
محبت آزاد پرندے کا جسم سے جدا ہوا کوئی پر بھی نہیں
جو منزلوں منزلوں لاوارث بھٹکتا پھرے
محبت نہ کوئی گرامر ہے، نہ نظریہ، نہ سیاست
نہ فلسفہ، نہ اصول، نہ قید، نہ تجارت
محبت تو خاموش کہانی ہے، بہتا پانی ہے
یہ چاندنی میں سیٹیاں بجا دیتی ہے
اور بہتی ہوا کو رلا دیتی ہے
محبت اندھیری راتوں میں ستارہ بن جاتی ہے
اور بیتے لمحوں میں بیٹھ کر گذرتے لمحوں کو جکڑ لیتی ہے
اے عملدار اور سمجھدار انسان!!
تم اسے فاصلوں سے ناپتے ہو؟
زندگی کے کیلنڈر کی بیرک میں قید کرتے ہو؟
مگر یہ تو مرتے ہوئے آدمی کی سانس میں ہمکتی ہے

تم اسے دنیا کے ترازو میں تولتے ہو؟
یہ تو بے وزن روحوں کا کھیل ہے
تم محبت میں مر جانے کی داستانیں سنتے اور سناتے ہو؟
یہ تو جینے کی کہانی ہے
سارے اشعار اور افسانے محبت کے لئے روتے ہیں
اصل میں تو محبت میں رو دینا ہی شعر اور یہی افسانہ ہے
اے سمجھدار !! محبت کو قسمت کی لکیروں میں کھوجتے ہو
اسے ہاتھوں کی لکیروں میں خود سے کھودنا محبت ہے

Sadism سے باہر کھڑے ہو کر ایک نظم



اے بے خبر سونے والے !!
زندگی صرف خواب میں ہی نہیں
کھلی آنکھوں میں بھی جھانک سکتی ہے
ٹھہرے پانی میں ہاتھ ڈال کر بیٹھے رہنے والے !!
تحریک بہتے پانی سے بھی آ سکتی ہے
کتاب میں رکھے سوکھے پھولوں کو سونگھنے والے !!
خوشبو تازہ پھولوں سے بھی آ سکتی ہے
اندھیرے کمرے میں روشنی تلاش کرنے والے !!
روشنی چاند کی کرنوں سے بھی آ سکتی ہے
قبر کی ٹھنڈک میں حدت تلاش کرنے والے !!
تپش کھلے آسمان کے سورج سے بھی آ سکتی ہے

باغی پرندے

مندروں کی گھنٹیاں شور پیدا کرتی ہیں
سات پھیرے یا تین دفعہ سر کا ہلانا
مسجدوں ،مندروں میں سناٹا بڑھا دیتا ہے
گرجا گھروں کے اندر ایک ودسرے میں پیوست ہونٹ
شہر کی تاریکی کو بڑھا دیتے ہیں
آسمان پر بکھری دھنک چوری ہو جاتی ہے
دل کو لبھانے والے رنگ بارش میں چُھپ جاتے ہیں
دو نام کاغذ کی سطح پر گھل کر تمام عمر کے لئے گُند ہو جاتے ہیں
مگر وہ آزاد پرندے جن کا رشتہ کسی کاغذ پر نہیں بنا
جو ایک ہی وقت میں ایک دوسرے کی پناہ گاہ بھی ہیں
اور پناہ کے متلاشی مہاجر بھی
ایسے بے شناخت پرندے جلد ہی بچھڑ جاتے ہیں
مندروں کی گھنٹیاں شور پیدا کرتی ہیں
اور دلوں کو خالی کر جاتی ہیں
گرجا گھر کی مدہم روشنی ،آنکھوں کو چندھیا دیتی ہے
مسجد کی مقدس خاموشی دلوں میں ہیجان پیدا کر دیتی ہے
جب کاغذ کے رشتے جیت جاتے ہیں
تو کاغذ کا بوجھ نہ اٹھانے والے سرد موت مر جاتے ہیں

بے انصافی

یہ کیسا انصاف ہے؟
دھوکہ کھانے والے اور دھوکہ دینے والے
دوسروں سے محبت کرنے والے اور
خود سے محبت کرنے والے
ہر ایک کو سائکاٹرسٹ
ایک جیسی ہی anti depressant لکھ کے دے رہے ہیں
شاید اسی لئے تو!!
اے خدایا تیری دنیا میں ایک کہرام سا مچا رہتا ہے
جہاں نہ جزا کا پتہ چلتا ہے نہ سزا کا

جوان بیٹی کی موت

جب بھی کوئی ماں اپنی بیٹی کی لاش کو دیکھتی ہے
تو پھر تمام عمر labour pain سے نڈھال رہتی ہے

دمہ



محبت نہ ہوئی کوئی گلاب ہو گیا
جسے وفا کی روشنی
سچ کی کھاد
اعتماد کا کلوروفل
اور خلوص کے پانی سے سینچو
تو ہی کلیاں کھلتی ہیں
ورنہ!!
جھوٹ کا کیڑا
بے وفائی کی دیمک
خود غرضی کی خشکی
اور بے اعتمادی کے کانٹے
انہیں کھلنے سے پہلے ہی مار دیتے ہیں
اور مرجھائے گلابوں کی پتیوں کے قبرستان
خوشبو کا نہیں بلکہ بدبو کا منبع بن جاتے ہیں
اور ان کی گھٹن سے دنیا کی سانس اکھڑنے لگتی ہے
یوں لگتا ہے سب کے پھیپھڑے خراب ہو گئے ہیں
اور سب کم بختوں کو دمہ ہو گیا ہے

تب کیا کرو گے؟

سنو!!

زندگی کے بڑے بڑے فیصلے فاصلوں کو ناپ کر نہیں کرتے

قریب بیٹھے گدھ بھی تمھیں محبت کے رنگین پرندے دکھائی دیں گے

اور دور آسمانوں پر اڑتی وفا اور خلوص کی ننھی منی تتلی

تمھاری نظر میں سنڈی بن کر رہ جائے گی

جانتے ہو نا؟ گدھ کی مرغوب غذا کیا ہے؟

وہ تمھاری روح تک بھنبھوڑ بھنبھوڑ کر کھا جائیں گے

اور پھر جب بچے، بچے اُس تتلی کے پاس پہنچو گے

تو کون جانے وہ بھی

ٹھکرائے جانے کی ذلت سہہ کر

گھبرا کر۔۔۔تھک کر۔۔۔۔۔۔۔

کوئی فیصلہ کر چکی ہو

اور تمھاری یاد کو اپنی وفا کی قبر میں دفنا چکی ہو

اور زمین پر سنڈی کی طرح رینگ رہی ہو

یا پھر کسی اور کے پیر تلے آ کر کچلی جا چکی ہو

تب تمھارے ہاتھوں کا کیا ہوگا

کون ان کو تھامے گا؟

اب بھی۔۔۔ہمیشہ بھی۔

اے ستارو!!
وہ اندھیرے میں بیٹھا ہو تو اسے روشنی دکھلا آنا
اے ہواؤ!!
اس کا دنیا کی کثافت میں دم گھٹ رہا ہو تو اسے تازگی دے آنا
اے پرندو!!
وہ اداس بیٹھا ہو تو اس کو کوئی سریلا سا گیت سنا آنا
اے جگنوؤ !! آ
اس کی آنکھوں کی چمک بجھنے لگے تو انہیں روشنی دکھلا آنا
نیلی جھیل کے میٹھے پانی!!
وہ خاموش ہو جائے تو اس کو میری کوئی بھولی بھٹکی بات یاد کرا آنا
اے آسمانو!!
وہ دنیا کے دھوکوں میں گُم ہو جائے تو اسے میری وفا یاد کرا آنا
اے مرغابیو!!
وہ محبت کی تلاش میں بھٹکے تو اس کو میرا بھولا بسرا نام ، پتہ یاد دلا آنا
اے دیوتاؤ!!
وہ تنہا رہ جائے تو میرے ہاتھ کا لمس اس کے ہاتھوں میں چھوڑ آنا

Flashbacks



میں وہ گورکن ہوں
جس نے یادوں کی ساری لاشیں ایک ایک کر کے دفنا دی ہیں
اور دل اُن کا قبرستان بن چکا ہے
اب وہاں سوائے قبروں کے ڈھیر کے کچھ نہیں
کچھ قبریں پکی ہوگئی ہیں اور ان کی مٹی سوکھ چکی ہے
کچھ قبریں ابھی کچی ہیں اور ان کی مٹی ابھی گیلی ہے
اپنی زندگی کے لئے ان "نئی قبروں" کی مٹی سوکھنے کا انتظار ہے

مستقل مزاجی



وہ ہزاروں سالوں سے ہاتھوں میں محبت کے پھول لئے کھڑی ہے
مگر اب تک ان پھولوں کا، کوئی خریدار نہیں ملا
ان پھولوں کو مرجھائے ہوئے بھی ہزاروں سال ہو گئے ہیں
اور
اس کے نرم ہاتھ کانٹوں کی چبھن سے لہولہان ہو چکے ہیں
پھر بھی وہ کہتی ہے کہ وہ انھی ہاتھوں کے ساتھ
ہزاروں سال اور انتظار کرے گی
محبت کے ان پھولوں کے سچے خریدار کا

خودغرض

کبھی زندگی کی رنگینیاں فرصت دیں،
ضمیر کی کھڑکی کھلے
اور شعور کی کوئی بھولی بھٹکی آندھی چل پڑے
تو ایک بار سوچنا کہ
اپنی بقا کی خاطر کتنی جانوں سے کھیلا ہے؟
اپنی روشنی کی خاطر کتنوں کو اندھیرے میں دھکیلا ہے؟
اپنی خوشی کی خاطر کتنوں کا غم خریدا ہے؟
اپنی بھوک کی خاطر کتنی بوٹیاں نوچی ہیں؟
اور
اپنی پیاس بجھانے کو کتنوں کا خون پیا ہے؟

بے وفائی

اُس کا چھوڑ جانا ایسا اذیت ناک نہیں تھا
جتنا اس کا چھوڑ جانے کا انداز۔۔!!

غریب کے بچے

ٹوٹے دل کے آنسو جہاں جہاں گرے تھے
سنا ہے کہ وہاں وہاں بم دھماکے ہوئے تھے
اور بہت سے عام لوگ مارے گئے تھے
ہاہاہاہا۔۔۔ہاہاہاہا
تو یہ طے ہے کہ
بے حسی، بے شرم حکمرانوں کی ہو یا خودغرض انسانوں کی
موت غریب ہی کے بچوں کا مقدر ہے

خودکشی کا فلسفہ

زندگی کے ہاتھوں ذلیل ہوتے
اس کی ٹھوکر پر پڑے لوگ
اس سے یوں بدلہ لیتے ہیں کہ
' اُسے ٹھکرا کر اس کی دشمن کو گلے لگا لیتے ہیں

مضبوط ترین رابطہ



جب فاصلے بے معنی ہوں
آپسی بات میں لفظوں کی تلاش نہ ہو
ایک کے آنسو دوسرے کے قہقے پر برسیں
تو آنسو نہ رہیں
ایک کی ہنسی دوسرے کے آنسوؤں سے ٹکرائے
تو آنسوؤں میں ڈھل جائے
چاہے دو راستوں کی منزل ایک نہ ہو
پھر بھی دو خوابوں کی ایک تعبیر نکل آئے!!

احساس



وہ اس کی نظم تھی کہ
میرے دو آنسو
جو اس کے دل سے نکلے
اور میری آنکھوں میں اتر آئے

رکاوٹ

بچپن کی یادوں میں ایک فٹ بال ہے
اور تین اندھیرے کے پتلے ہیں
یہ سب مل کر مجھے ڈراتے ہیں
اور ستاروں کی وہ روشنی
بھی مجھ تک نہیں آنے دیتے
جو میرا " آج " مجھے دینا چاہتا ہے.

کمزور ترین رشتہ

جب ایک شخص کی آنکھیں
کہے اور ان کہے آنسو بہاتی جائیں
اور دوسرا شخص انہیں سمجھنے سے قاصر ہو جائے

کمینہ!!

جو کام پڑنے پر پیروں میں ڈھیر ہو جائے
اور کام نکل جانے پر ماتھے پر آنکھیں رکھ لے
وہ یہ مطلب جان کے حیران تھی
افسوس اے لڑکی!!
ٹیکنالوجی کے اتنے جدید دور میں
اور
اتنی ذہین فطین ہونے کے باوجود بھی
تمہیں کمینگی کا مطلب نہیں پتہ تھا؟

پرانا کلاس فیلو

مجھے سات سمندر پار سے
اِس موجودہ ،خاموشی اور تنہائی سے
گھسیٹ کر اُن سبز میدانوں میں لے جاتا ہے
جہاں میری ذات کے پھول کھلتے تھے اور
میری ہنسی کی آواز سے
لوگوں کی زندگیاں گونج اٹھتی تھیں

مارگلہ میں ہونے والا ہوائی حادثہ



مارگلہ کی پہاڑیوں یہ تم نے کیا کیا؟
انسان کو راکھ کر دیا اور
وہ راکھ بھی نگل لی؟
انسان کے آنسو ،خون سمیت پی لئے
اور صرف بارش چھوڑ دی؟
مشین اور اس کے ساتھ جلنے والے انسانوں کی
آہیں ،دعائیں ،حسرتیں ،خواب
ان کی آنکھوں سمیت
سب کھا گئیں؟
اپنے حسین سینے پر یہ کیسا داغ لگا لیا؟
کہ اپنے ہی حسن کا مقبرہ بنا لیا

سوشل میڈیا کے کمالات



کھوکھلے پن اور تنہائیوں کے پودے
دھڑا دھڑ
فیس بک اور ٹویٹر پر
لگائے جا رہے ہیں

امکان!



محبت کی کہانی کے ایسے گندے انجام پر
رشتہ ٹوٹنے کا کم اور اعتماد بکھرنے کا دُکھ زیادہ ہوتا ہے
ایسے انجام کے بعد محبت کی ڈکشنری سے
اعتماد اور وفا کے الفاظ خارج ہونے کا امکان بڑھ جاتا ہے

بدقسمتی



راستے میں وہ ہم سفر ملے
جنھیں منزل کا پتہ نہ تھا
دل نے بھروسہ اُن پر کیا
جن کو "بھروسہ" کیا ہے؟
اس کی خبر نہ تھی

معالج



میں facebook پر کسی کی بیوی کی تنہائیوں کا علاج کر رہا تھا
اور ساتھ بیٹھی میری بیوی اپنے فون پر
کسی اور کے شوہر کے ساتھ اپنی تنہائیاں بانٹ رہی تھی

یہ محبت امر ہے

کبھی محبت کی شکل میں
کبھی نفرت کی شکل میں
مجھے تم سے ہمیشہ محبت رہے گی

Paranoia

ہر طرف جھوٹ کے منہ اُگے ہوئے ہیں
اور
نفرت کی کائی دلوں میں پھیلی ہوئی ہے
کالک جیسی سیاہی چہروں پر ہے
اور
ہر طرف رات ہے
دن کا دور دور تک نشان نہیں
روشنی کا فقدان ہے
جھوٹ ہے جھوٹ ہے اور بس جھوٹ ہے
اسی لئے اب paranoia کا مرض ہر طرف عام ہے

توہین



اس کے جانے کے منظر میں
جو بات بھلائی نہیں جا رہی اور
نہ ہی اس کی تصویروں کے ساتھ جلائی جا رہی ہے
اور ہونٹوں سے کہی بھی نہیں جا رہی۔
وہ۔۔۔۔وہ۔۔وہ بیگانگی تھی!
جو جاتے ہوئے اُس کی آنکھوں میں تھی

بہانے بازی



بے وفائی کرنی ہے؟
ضرور کرو
چھوڑ کے جانا ہے؟
سو بسم اللہ
مگر خدارا!!
کھوچل عورتوں کی طرح
کھسیانے ہو کر
میری ذات کے گچھوں سے
پرانی جوئیں تو نہ نکال نکال کر دکھاؤ

کھیل تماشہ

جب زندگی کی سمجھ آئی
تو وہ مجھ سے دُور۔۔۔ بہت دور۔۔
کھڑی مسکرا رہی تھی
میں حیران تھی
اور وہ میری گرفت سے باہر تھی
مجھے چڑا رہی تھی
اور قہقے لگا رہی تھی
اور یہ کھیل اسے اچھا لگ رہا تھا
اور میں بس روئے جا رہی تھی ،
روئے جا رہی تھی۔

مرد لڑکی

وہ کمزور سی، جذباتی سی
پل پل آنسوؤں میں بہہ جانے والی
مگر مشکل حالات سے ہمیشہ
مردانہ وار مقابلہ کرتی، سرخرو نکلتی ہوئی
وہ ایک ڈرپوک سی لڑکی

میری کمزوری



آج بھی مجھ سے دیکھا نہیں جاتا
آسمان کا وہ رنگ
جب دو وقت مل رہے ہوں
یا دو وقت بچھڑ رہے ہوں
کیونکہ یہ دونوں وقت
کائنات کی محبت کی سب کہانیوں کے
عروج و زوال کے ترجمان ہوتے ہیں

وہ



نہ وہ مجھے جانتا ہے ، نہ سمجھتا ہے
نہ مجھ پر توجہ دیتا ہے
نہ میرے مزاج کا ہے
نہ میرا ہم قدم ہے
نہ میری روح کا ساتھی ہے
پھر بھی سالہا سال سے
مجھ سے ایک جیسی محبت کیے جا رہا ہے

کیوں؟

ایک طرف سے سر اٹھاؤں
اور دوسری طرف سے نیچے دھروں
پھر دوسری طرف سے اٹھالوں
اور پہلی طرف سے نیچے رکھ دوں
کبھی پٹخوں
کبھی جھٹک دوں
کیا میں انسان ہوں تو ایسی ہوں؟
یا ایک عورت ہوں تو ایسی ہوں؟
میں کیوں دورُخی ہوں؟

مینڈک شہزادے کی جھوٹی کہانی

سطح پر پھدکنے والے مینڈک کو
سمندر کی گہرائی کا کیا اندازہ
اسے کہانیوں کا شہزادہ سمجھنے والی کی
آنکھ تب کھلی جب اس کے چھونے پر بھی
وہ مینڈک ہی رہا، شہزادہ نہ بن پایا

رنگینی

دھوکے کے بعد پیدا ہونے والے رنگ
کتنے پکے کتنے گہرے ہوتے ہیں
نیا تازہ دھوکہ کھانے کے بعد سوچا
رنگ میں رنگا دھوکا نہ ہو
تو زندگی کیسی کچ رنگی ہو جائے

تمھارے بغیر

کیا زندگی اس دُوری کو ہی کاٹتی رہے گی جو وقت نے
محبت کے نام پر سجائی گئی زمین میں اُگا دی ہے؟
اور کیا سمندر کنارے سہمی ریت پر میرا نام
تمھارے نام کے بغیر ہی لکھا رہ جائے گا؟
اور کیا زندگی بس یونہی گذر جائے گی؟

دوری کیسی؟

صرف سات سمندر ہی تو درمیان میں ہیں
رات اور دن کا ہی تو جھگڑا ہے
شہرت اور گمنامی کا بکھیڑا ہی تو ہے
اپنی اپنی ذات کے جھمیلے ہی تو ہیں
تیرے میرے قبیلے کی رسموں کا ہی تو فرق ہے
تیری میری زمینوں کے موسموں کا ہی تو فرق ہے
یہ تو کوئی بات نہیں
یہ تو کوئی دوری نہیں

عزیز دوست کی موت پر

وہ اچانک مر جائے
تو اس کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا نا
کہ وہ شخص اس دنیا میں
رہا بھی نہیں؟
اور کوئی زندہ ہو
مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا نا
کہ وہ ہماری دنیا میں بھی ہو؟



ANTI -DEPRESSANT

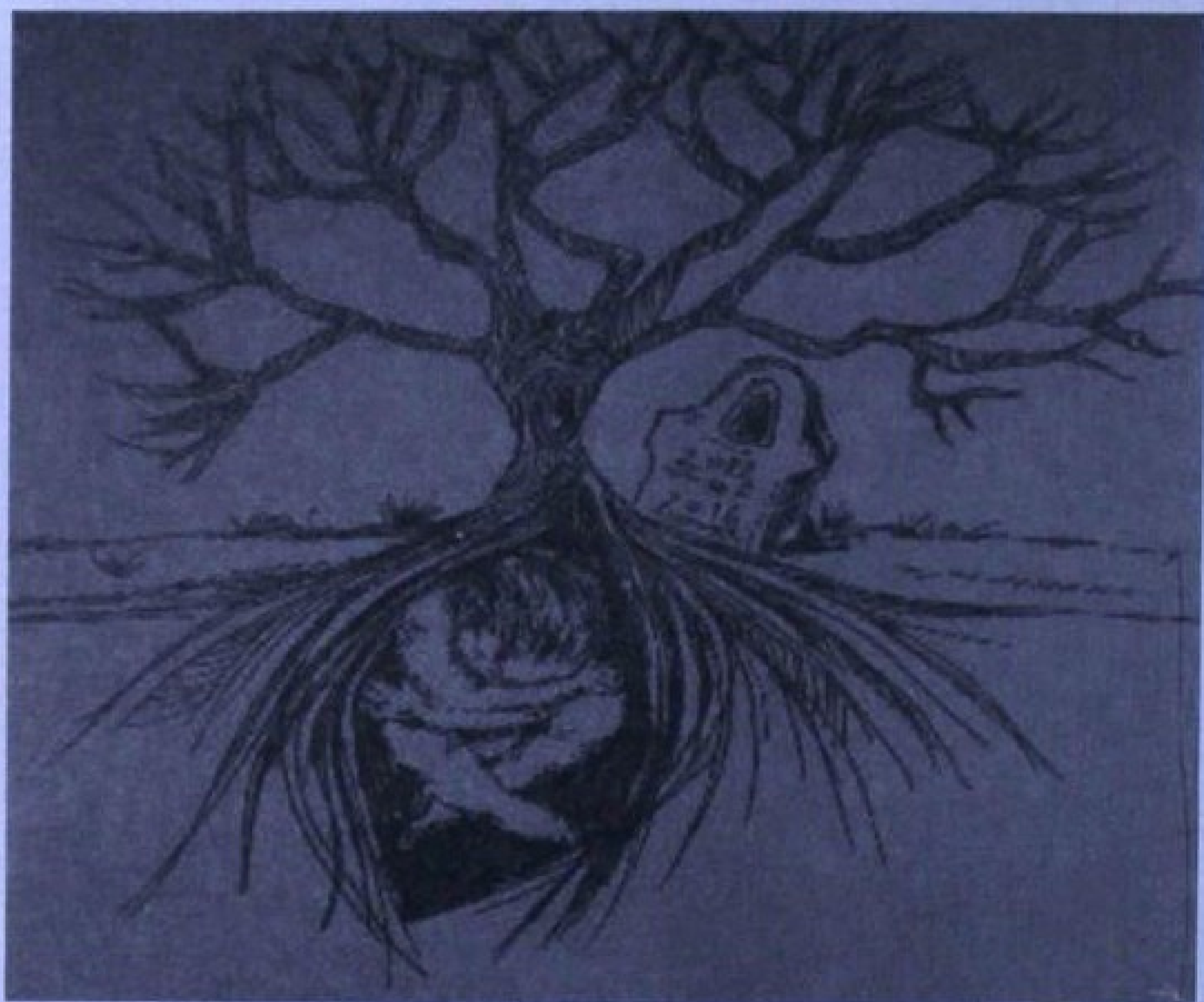


ایک دھوکہ، دوسرا دھوکہ، تیسرا دھوکہ
سب کھانے کے بعد
سائیکاٹرسٹ نے سکون سے کہا
لو بی بی اب تین مہینے Antidepressant کھاؤ
پوچھا: اس سے کیا ہوگا؟
جواب ملا: تین مہینے بعد آنا پھر دیکھیں گے
پوچھا: کیا دیکھیں گے؟
جواب ملا: دیکھیں گے کہ تم مزید دھوکے کھانے کے قابل ہوگئی ہو یا نہیں؟
پوچھا: اور اگر نہ ہوئی تو۔۔۔؟
پھر دوائی کھاتے رہنا، ڈاکٹر نے آہستہ سے کہا۔
اور اگر دھوکہ کھانے کے قابل ہوگئی تو؟ میں متشکک سی تھی۔
ڈاکٹر نے فیصلہ کن لہجے میں کہا: تو پھر دوائی بند!!



ذاتی چاند

ہر انسان کی زندگی میں اس کا اپنا چاند
اسکی منتظر آنکھوں میں
ایک بار تو اپنا عکس ضرور دکھاتا ہے
قسمت کے دھنی اس عکس کو جھٹ سے تھ[illegible]یتے ہیں
اور کچھ بد بخت اس کو کھو دینے کے ڈر سے
تمام عمر پکڑ ہی نہیں پاتے
اور آنکھوں میں بس خوف کے سائے لئے
عمر بھر کے لئے تنہا رہ جاتے ہیں



کتبہ

(لورین کی چار سالہ محبت کی داستان)

نومبر 2012 - دسمبر 2016



یہاں ایک ان جنمی محبت سوتی ہے
جس کو نومبر 2012 کو پیدا ہونا تھا
مگر وہ محبت پیٹ ہی میں مر گئی
اور اس کی جگہ ''محبت کا وہم'' پیدا ہو گیا
جو بالکل محبت کی طرح ہی لگتا تھا
اور وہ بھی اسے محبت ہی سمجھ کے
اپنے پستانوں سے دودھ پلاتی رہی
بغیر جانے کہ

پیٹ میں مری محبت کا زہر اس کے دودھ تک اتر آیا ہے
وہ وہم اسی زہریلے دودھ پر پلتا رہا
یہاں تک کہ سارا زہر وہم کے پیٹ میں منتقل ہو گیا
اور بالآخر وہ بھی دسمبر 2016 کو جہان فانی سے کوچ کر گیا
یہاں ایک ان جنمی محبت سوتی ہے
یہاں ایک چار سالہ پرانا وہم سوتا ہے

ریت کی مورت

ریت گوندھی نہیں جاتی
گوندھا مٹی کو جاتا ہے
پھر اس سے مورت بنائی جاتی ہے
ایک صورت بنائی جاتی ہے
جو کبھی کبھی ادھوری رہ جاتی ہے
تشکیل یوں ہوتی ہے کہ تکمیل نہیں ہوتی
اور مٹی کی مورت زندگی پانے سے پہلے
ہی ریت میں مل جاتی ہے
اور ریت کی مورت
اس کی تو کوئی صورت ہی نہیں ہوتی



انتظار



جب موسم بدل رہا ہوتا ہے تو
درخت پتوں کو اڑ جانے سے روکتا نہیں
جانتا ہے کہ اس کا ناتواں وجود اب ان کو روک نہیں پائے گا
وہ، ان کو جانے دیتا ہے
گرتے پتے بردوشِ ہوا تیرتے چلے جاتے ہیں
--------اور چلے جاتے ہیں
جب موسم بدل رہا ہوتا ہے جھیل مرغابیوں کو روکتی نہیں
وہ جانتی ہے کہ انہیں اپنی زندگی کے لیے
اس مردہ جھیل کو اب چھوڑنا ہی ہے وہ ان کو اڑ جانے دیتی ہے

سوکھتی جھیل اور خزاں رنگ درخت جانتے ہیں
کہ موسمی مرغابیاں اور موسمی پتے
رکتے نہیں، ساتھ چھوڑ جاتے ہیں
تو وہ بھی آہ و بکا نہیں کرتے
ٹنڈ منڈ درخت اور بے رونق جھیل چپ چاپ۔۔دونوں
گئے موسموں کے لوٹ آنے کا انتظار کرتے ہیں۔

کیسے مجھے پکارا تھا؟

تم نے وہاں ہولے سے نام میرا لیا تھا
یا پوری شدت سے چیخے تھے
کیونکہ یہاں ایک پل کو
سانس میرا بند ہوا تھا
بولو؟ کیسے مجھے پکارا تھا؟



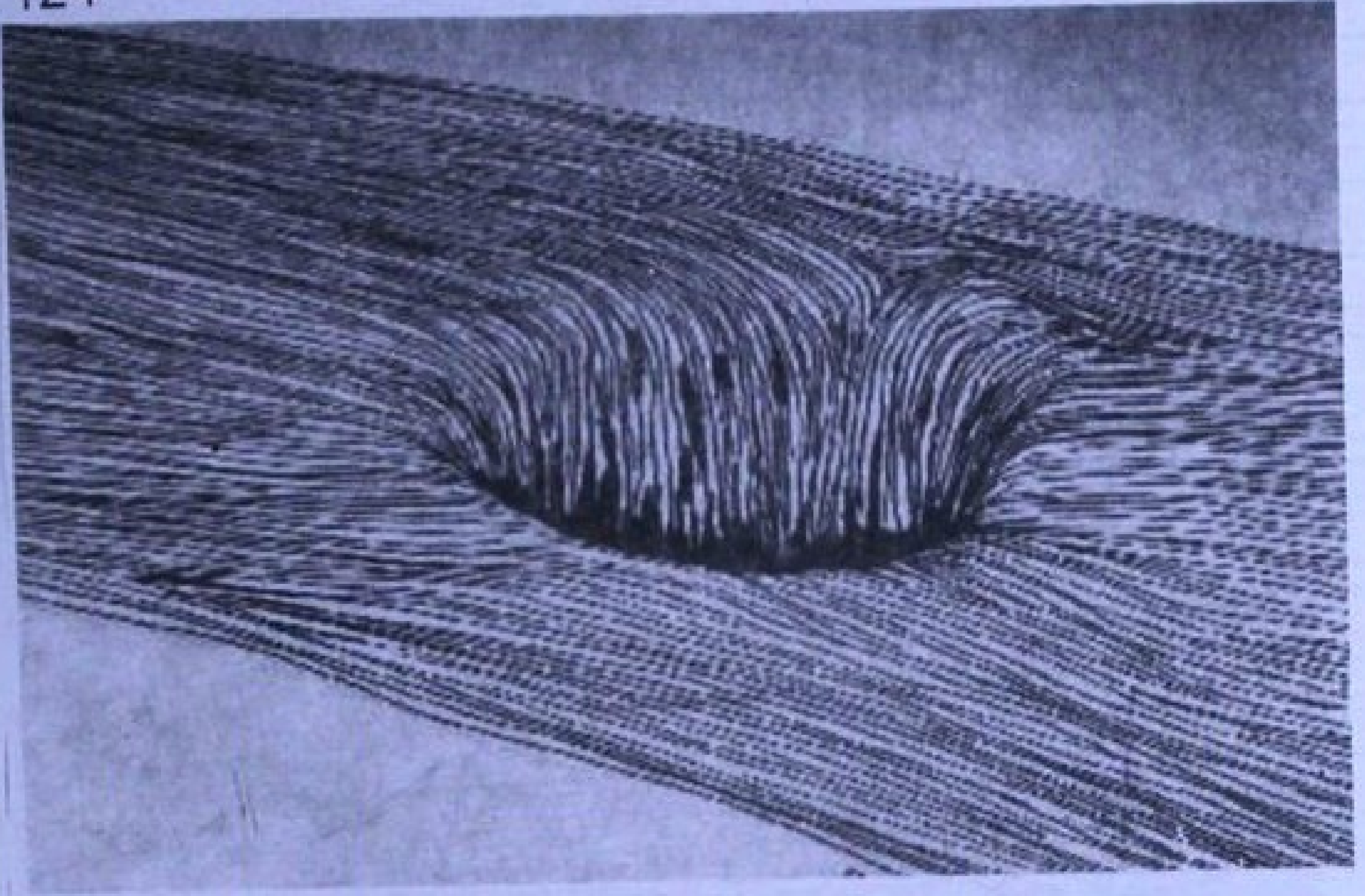
Narcissism

جھیل کے ٹھہرے پانی میں شہزادے اور شہزادی نے
جب اکٹھے اپنا عکس دیکھا تھا تو
بیک وقت اپنے اپنے چہروں سے محبت میں گرفتار ہو گئے تھے
اور دنیا یہی سوچ کر ان سے صدیوں حسد کرتی رہی کہ
وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے

بھکارن

صدیوں پرانی ایک روح
سچ کی تلاش میں
ہاتھوں میں کدال لیے
وقت کی زمین کھودتی ہے
اس کے ہاتھوں پر چھالے پڑ گئے ہیں
اور چھالوں سے خون رستا ہے
اس کی آنکھوں کے آگے کالے جالے تنے ہوئے ہیں
اور اس کا جسم زخموں سے چور چور ہے
پاؤں کے تلوے پھٹ چکے ہیں
زبان پر چیخ چیخ کر آبلے پڑ گئے ہیں
وہ منتیں کرتی ، بھیک مانگتی ہے
اللہ کے نام پر ایک سچے رشتے کا سوال ہے بابا
زمین کے اندر سے آواز آتی ہے
بی بی معاف کرو!!
یہ ڈائنا سور متروک ہو چکا ہے
تم جیسی نخرے والی بھکارن کا کاسہ بھرنے کے لئے
اہلِ زمین کے پاس کچھ نہیں





پہلا دھوکہ

پہلے بوسے کے دھوکے کے بعد
ہونٹوں کا سوکھا پن کبھی ٹلا ہی نہیں
اس سیلن زدہ مکان میں
اب تازہ ہوا کا امکان نہیں
دل میں نیلا رنگ بیٹھ گیا ہے
اب سرخ رنگ کا ہیجان ممکن نہیں
رستوں کی بے ایمانی ہی ہے
کہ منزل تک پہنچانے کا کوئی سامان نہیں
وہ دھوکہ زندہ رہے تب بھی
اور مر جائے تب بھی
اب کسی کا کوئی نقصان نہیں



اندھی محبت

محبت کے شیرے سے لتھڑی ہوئی عورتیں
سرہانے کے سانپ کو اپنے جسم پر رینگنے دیتی ہیں
اور اس سحر میں مدہوش
آنکھیں بند کئے اس وقت تک بے سدھ پڑی رہتی ہیں
جب تک کہ سانپ کو رینگنے کے لئے
ایک اور محبت سے لتھڑا تازہ جسم نہیں مل جاتا
(بڑی بوڑھیاں کہتی ہیں، مرد سرہانے کا سانپ ہوتا ہے)



بے جوڑ محبت

اپنے بچاؤ کے لئے مجھے ہاتھ پاؤں مارتے دیکھ کر
اس کی نخوت بھری آنکھوں نے کہا
میں پیار کا وسیع سمندر تھا
تم کم ظرف، تھوڑے پانی کی مچھلی
تمھیں ڈوبنا ہی تھا
سو تم ڈوب گئیں
اُس میں میرا کیا قصور؟

خود کو منوانے کا کرب

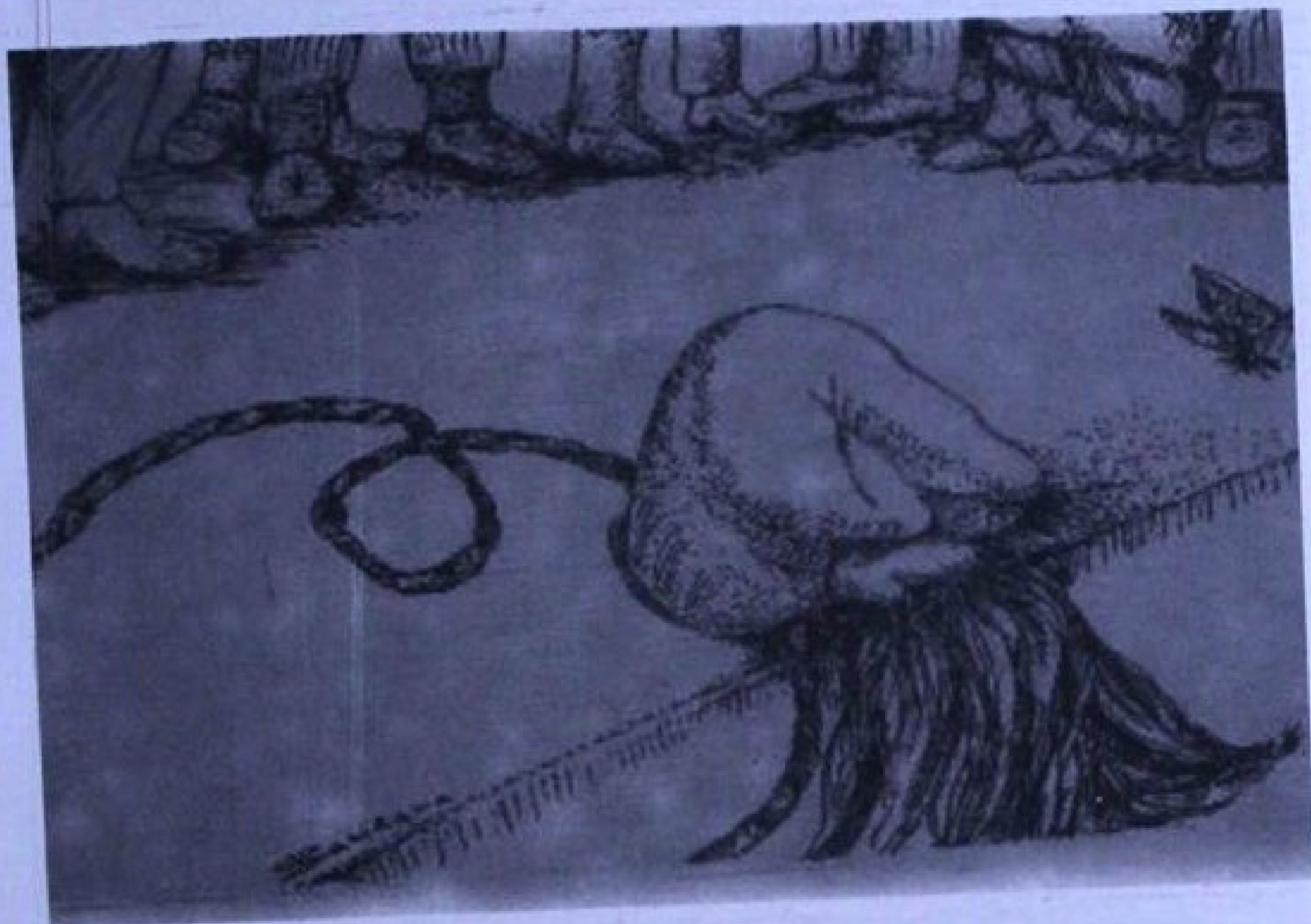


زندگی کی سحر سے شام ہونے تک
میں ستارہ سا جسم ہی بنی رہی
چمک چمک کے بجھتی گئی
مگر کبھی دماغ بن کر اس دنیا کے افق پر طلوع نہ ہو سکی

سزائے موت

اس لڑکی کی لاش کو سرخ دوپٹہ اوڑھا دیا جائے
چہ مگوئیاں مکھیاں بن کر بھنبھنانے لگیں
آرڈر...! آرڈر...! آرڈر!
جب وہ دلھن بنی تھی تو اس نے سرخ نہیں سبز رنگ اوڑھا تھا
یہ غلط وقت پر غلط رنگ اوڑھنے کی سزا ہے
سزائے موت!!





اقصی کے لئے

وہ خودکشی نہیں تھی
قتل تھا
ہنسنے والی لڑکی کا
رلانے والی دنیا کے ہاتھوں

اس دن کی بارش

اس دن کی بارش دیکھی ہے کبھی؟
اس دن کی جس دن تمھاری آنکھوں کا رنگ بدل گیا تھا
جس دن بارش میں میرے آنسو گھل رہے تھے
جس دن تمھارا جسم کسی اور جسم میں گھل رہا تھا
اس دن کی بارش دیکھی ہے کبھی؟
دعا کرنا ایسی بارش نہ دیکھو کبھی
ایسی بارش میں پورا جسم، پوری روح بہ جاتی ہے
ایسی بارش مجھ پر برسی تھی
میں ریڈنگز کے باہر کھڑی تھی
کاؤنٹر پر میری کتابوں کی پیمنٹ ہو گئی تھی
اور میں ننگے جسم بارش میں بھیگ گئی تھی
میری روح بے لباس کھڑی رہی
تمھارا جسم کسی اور جسم میں گھلتا رہا
اور۔۔۔ میں تنہا کھڑی سسکتی رہی
اس دن کی بارش دیکھو گے؟
خدا نہ کرے ایسی بارش کبھی تم دیکھو
جب کتابوں کی پیمنٹ پہلے سے ہو گئی ہو
جب روح بے لباس تنہا بھیگتی ہو!

میں یہ جاننا نہیں چاہتی کہ روبینہ فیصل کی عمر کیا ہے کہ شاعری بلکہ تمام تر شاعری، جوانی کی دین نہیں ہوتی، مردوں کی شاعری میں تو کبھی بڑھاپا چھلکا ہی نہیں، خواتین لکھنے والیاں، چاہے فکشن لکھیں کہ شاعری، زہرہ نگاہ ہوں کہ خالدہ حسین۔ مصیبت یہ ہے کہ شروع سے ہی بڑا میچور کام اور جسے باریک کام کہیں، وہ پیش کرتی ہیں۔

نثری نظم یوں تو بہت سے لوگوں کے ہاتھ آئی اور پھسل گئی کہ اس میں content بہت اہمیت رکھتا ہے۔ سیدھی سیدھی عبارت نظم نہیں کہلائی جاسکتی ہے۔ روبینہ بھی کئی دفعہ جذبات اور حسیات سے مغلوب ہوکر، لوک داستانی محبت کو بھی مٹا دینا چاہتی ہے۔ محبت کے موضوع کو متروک اور ممنوع کرنا چاہتی ہے۔

روبینہ کہیں یہ مصرعی نظم ایسے لکھتی ہے کہ میرا دل اس کو پڑھتے ہوئے چاہتا ہے کہ نظم، کوٹیشن نہیں ہوتی ہے، وہ ایسا خیال ہے جسے لباس ایسا چاہیے کہ برہنگی نظر نہ آئے مگر جلن تڑپ تڑپ کر باہر پھیل جائے، کوئی اس کو سراب سمجھے تو کوئی دل کے اندر آنسوؤں کو ٹپکتا محسوس کرے۔

"کوئی لاہور جا رہا ہے"، "دو سورج کا راز" اور "2017" جیسی نظمیں، آپ کو یقین کی اس منزل پہ لے جاتی ہیں جہاں آپ روبینہ کو اگلے سفر کی نشاندہی کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

اس زمانے کی مشرقی لڑکی وہ نہیں رہی جو ڈپٹی نذیر احمد کی تھی۔ وہ مرد کو بے غیرت نہیں لکھتی البتہ سانپ کی کینچلی اتارنے کی کوشش میں لہولہان ہوتے ہوئے بھی لفظوں کو گھول کر کونین کی طرح نہیں پی جاتی ہے بلکہ پیاز کی طرح چھلکوں سے مرصع وجود کا ڈی این ٹیسٹ کرتی ہے۔

کشور ناہید

روبینہ فیصل، نوائے وقت کی معروف کالم نگار، افسانہ نگار اور دستک ٹاک شو کی پرڈیوسر اور اینکر پرسن ہیں۔

تعلیم: بی کام۔ (ہیلی کالج آف کامرس لاہور)۔
ایم اے انگلش (ایف سی کالج لاہور)۔

ڈی آئی بی پی (بینکنگ ڈپلومہ)۔

پنجاب بنک میں کینڈا امیگریشن ہونے تک گریڈ 2 آفیسر تھیں

پہلا کالموں کا مجموعہ 2010 میں شائع ہوا۔

خالد احمد ایوارڈ یافتہ افسانوں کا مجموعہ: خواب سے لپٹی کہانیاں، 2016 میں شائع ہوا۔

افسانوں کی ایک اور کتاب اور ناول تکمیل کے مراحل میں ہیں۔

روبینہ فیصل اپنے شوہر فیصل محمود، تین بیٹوں ہادی، عبداللہ، احمد اور ایک بیٹی علینہ کے ساتھ مسی ساگا کینڈا میں سن 2000 سے قیام پذیر ہیں۔

